لڑکیوں کی اِنشا

جس میں

خط و کتابت کے طریقے سکھانے کے علاوہ خطوں کے ذریعے

بچیوں کو نہایت ضروری اور کام کی باتیں بتائی گئی ہیں

مُصَنّفہ

مولوی محمد عبد الراشد صاحب الخیری دہلوی

مصنف بنجوگ۔ سوکن کا جلاپا۔ گوہر مقصود۔ صبح زندگی وغیرہ

سنہ ۱۹۲۷ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

بار چہارم

قیمت ۱۲

لڑکیوں کی انشا

بڑی بہن کی طرف سے چھوٹی بہن کو

بڑی بہن کی جان پیاری نصیر سلطان۔ پندرہ پندرہ دن سے ارادہ
کر رہی تھی۔ کہ تمہیں خط لکھوں۔ مگر ادھر تو صغیر کا بخار۔ اُدھر مکان بدلنے
میں اسباب کی اُکھاڑ پچھاڑ۔ کسی دن ڈھنگ سے بیٹھنا ہی نصیب نہ
ہوُا۔ کہ دو حرف تو لکھ کر بھیج دیتی۔ پانی برسنا شروع ہوُا۔ تو اس قیامت
کا کہ کمرہ اور دالان کوٹھریاں اور سائبان سب ہی ٹپک گئے۔ بچّہ پڑا۔
تو اس غضب کا کہ تین دن اور تین رات آنکھ جھپکنی حرام تھی۔ خدا خدا کر کے
مکان بدلا بچّہ بھی ذرا ہوشیار ہوُا۔ تو آج تم کو خط لکھتی ہوں پچھلے دنوں
کو یاد کرتی ہوں۔ تو کلیجے پر گھونسا سا لگتا ہے۔ نصیرہ پیاری کوارپتہ ایک
نعمت تھی۔ اور میکا ایک جنّت دیکھتے دیکھتے وہ بہار ختم ہوگئی تم خوش نصیب
ہو۔ کہ اپنی نیند سونا اپنی نیند اُٹھنا۔ ہے ہے نہ کھے کھے۔ ناز اُٹھانے کو ماں
باپ کام کاج کو لونڈی ماما للو پتو کو انیاں خنیاں۔ غنیمت سمجھو جو وقت گزر
رہا ہے۔ ان دنوں کی قدر کرو۔ اور موقعے کو ہاتھ سے نہ دو۔ یہ آزادی کتنی
دیر۔ اور یہ بے فکری کب تک۔ ماں کی دہلیز پر سدا نہ رہوگی۔ یہ تو چھوٹے

اور ایسے چھوٹے۔ کہ آنکھیں ان کے دیکھنے کو ترسیں گی۔ آنکھیں بچھانے والے روٹھی کو منانے والے سب یہیں رہ جائیں گے۔ چڑھاوے کا جھومر لگتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اُس وقت جانو گی۔ کہ کوا پتہ کیا چیز تھا؟ ماں باپ کے حکم ٹالو گی۔ چیخ چلّا کر بک جھک کر چپ ہو جائیں گے۔ لیکن سسرال کے نادر شاہی حکم تمہارے ٹالے نہ ٹلیں گے۔ کھانا پینا بھول جاؤ گی۔ سوا پہر دن چڑھے سو کر اُٹھنا اور برس چھ مہینے کا مہمان سمجھ لو۔ چار گھڑی رات سے اُٹھنا پڑے گا۔ آج نقتوں سے کھاتی اور بگڑ کر سوتی ہو۔ کل کھلا کر کھاؤ گی۔ اور سُلا کر سوؤ گی۔ میں وہاں بھی تم کو ہمیشہ سمجھاتی رہی۔ بگڑ کر کہا چمکار کر کہا۔ غصّے سے کہا۔ نرمی سے کہا۔ کہ خدا کے واسطے یہ دس بجے سو کر اُٹھنے کی عادت چھوڑو۔ مگر تمہارے کان پر جوں نہ چلی۔ اب پھر یہی کہتی ہوں۔ کہ پڑے ہوئے لپکے اور جمی ہوئی عادتیں چھوٹتے ہی چھوٹتی ہیں۔ ابھی سے پتہ نہ مارو گی۔ تو سر پر ہاتھ رکھ کر رونا۔ یہاں تو خیر بھلی بُری نبھ ہی جائے گی۔ مگر اتنا یاد رکھنا۔ کہ ساس نندیں تورتی بھر بات کو بانس پر چڑھا دیں گی۔ آپ شرمندہ ہو گی۔ وہ الگ اور ماں باپ کے جنم میں تھکواؤ گی سو جُدا۔ پٹکی پڑے ایسے سونے پر اور بھاڑ میں ایسے خرّاٹے کہ آدمی مُردوں سے شرط باندھ کر سوئے۔ اور کُنبے بھر میں تھڑی تھڑی ہو جائے۔ ایسی بچہ تو نہیں ہو۔ کہ ایسی بات نہ سمجھ سکو۔ کہ چراغ میں بتّی پڑی اور لاڈو بیری تخت چڑھی۔ سورج چھپا اور تمہیں بچھونوں کی پڑی۔ پھر قدری کر ڈالو اُٹھنے کا نام نہیں۔ ابّا جان کے پان سے تمہیں واسطہ نہیں۔ امّاں جان کے زردے سے تمہیں غرض نہیں۔ اظہر روئے تو اور ظہیرہ چھیکے تو تمہاری بلا سے۔ سونا کیا ہوا۔ آفت ہو گیا

اور نیند نہ ہوئی۔ وبال جان ہوگئی۔ ماشاء اللہ برابر کی بیٹی ہو۔ اتنا آرام
بھی امّاں جان کو تم سے نہ ملا۔ تو تمہارا ہونا نہ ہونا دونوں برابر۔ نصیرہ بہن
بُرا نہ ماننا۔ تمہارے ہی بھلے کی کہتی ہوں۔ آخر تمہاری ہی بہن ضمیرہ ہے۔
جس پیٹ سے تم ہوئیں اُسی سے وہ۔ مگر لڑکی کیا ہے۔ ہیرا ہے۔ نگوڑی
کچھ عمر بھی تو نہیں۔ تمہارے سامنے تو کیڑا ہے۔ گیارہ برس کی جان۔ سارے
گھر کا بوجھ سر پر اُٹھائے ہوئے ہے۔ خدا کی قسم دیکھ کر اَرواح خوش
ہوتی ہے۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ چپکے ہی
چپکے سب کچھ کر لیتی ہے۔ اس کی بساط کو دیکھو۔ اور ابّا جان کے واسطے
بھری بھری صراحیاں دومنزلے پر لانی اور لے جانی۔ آخر اتنی عمر آئی۔
تم ہی ایمان سے کہہ دو۔ آندھی جائے مینہ جائے۔ مگر کبھی تم نے
بھی اس کی نماز قضا ہوتے دیکھی۔ کیسی ہولے ہولے کام کرتی پھرتی
ہے کہ دیکھ کر بھی تو دل کُڑھتا ہے۔ تم پڑی خرّاٹے لو۔ اور وہ اندھیرے
مُنہ اُٹھ جھپاک جھپاک آگ سُلگا وضو کر نماز پڑھ قرآن شریف لے بیٹھ جائے
ابّا جان کے اُٹھنے سے پہلے پانی اور چار انڈے اور دودھ سب تیّار۔
دل سے دُعا نکلتی ہے۔ کہ الٰہی ضمیرہ پیاری دودھوں نہائے اور پوتوں
پھلے۔ آخر تم سے تو چھوٹی ہی ہے۔ اس کے دل میں خدا کہاں سے بیٹھ
گیا۔ جو چیز میں چیز اور بست میں بست پیسہ دھیلا ادھی دمڑی روٹی
ٹکڑا۔ پہلے اللہ کے نام دے دے گی۔ تمہاری طرح سے نہیں
کہ انجو کی ماں کو موئی دو پچھانکیں نارنگی کی دے کر عمر بھر کے واسطے
مول لے لیا۔ ذرا کام میں دیر ہوئی۔ اور لگیں ہنکارنے۔ خط تو لکھ رہی
ہوں۔ مگر دل اندر سے یہ کہہ رہا ہے۔ کہ پڑھتے ہی مرچیں لگ جائیں گی۔ گھر

بھر میں ناچی ناچی پھروگی۔ کوسوگی۔ کاٹوگی۔ روؤگی۔ پیٹوگی۔ مگر جب جل
بھُن چکوگی۔ تو ایک دفعہ پھر پڑھنا۔ اور خدا لگتی کہنا۔ نصیرہ بہن دُنیا میں
عمر بھر رہنا نہیں۔ بڑے بڑے پیر پیغمبر وعدے سے گھڑی بھر سوا نہ ٹھہرے۔
اور اس سرکار میں جا پہنچے۔ جہاں تِل تِل اور رتّی رتّی کا حساب کتاب
دینا پڑا۔ جو کیا وہ بھُگتا۔ جو دیا وہ پایا۔ وہ خدا جس نے ہم کو آدمی
بنایا۔ بولنے کو زبان دیکھنے کو آنکھیں کام کاج کو ہاتھ چلنے پھرنے کو پاؤں
دئے۔ کیا اس سے بھی گیا گزرا ہوا۔ کہ ہم پانچ وقت تو اس کے آگے سر
جھُکالیں۔ گریبان میں مُنہ ڈالو۔ اور اس وقت کو آیا سمجھو۔ جب اس کے
سوا کوئی ساتھی نہ ہوگا۔ جانور صبح اُٹھ کر اُس کا شکر کریں۔ اور ہم جیسے ناگنے
اُس کا دھیان تک نہ کریں پچھلی باتوں پر خاک ڈالو۔ اُٹھو توبہ کرو اور
توبہ کرکے جا نماز پر کھڑی ہو جاؤ۔ ایک آٹھ ہی دن میں دیکھ لینا۔ دل
کتنا خوش حال ہو جاتا ہے۔ نماز کا مزا آجائے گا۔ تو پھر یہ کسی کے چھڑائے
نہ چھوٹے گا۔ دُنیا تعریف کرے گی۔ لوگ اچھا کہیں گے۔ امّاں باوا
راضی۔ خدا اور خدا کا رسول خوش ÷

(زہرہ)

چھوٹی بہن کا جواب بڑی بہن کو

(۲) آپا جان۔ آپ نے تو خط کی ایسی راہ دکھائی۔ کہ آنند آگئی۔
جب سے صغیر کے بخار کی سُنی تھی۔ دل اُڑا جا رہا تھا۔ پندرہ دن اور
سولہ راتیں اسی دھڑکے میں گزریں۔ کہ خدا خیر کی خبر سُنائے۔ امی جی ہو۔

میری طرف سے خوب بھینچ بھینچ کر گلے لگائیے۔ اور کہہ دیجیے۔ کہ خالہ اپنے سگوں کے لئے جھم جھم کا کرتہ سی رہی ہے۔ کوئی آتا جاتا ہو تو بھیجوں
اللہ بی آپا خط بھی لکھا تو ایسا کہ عین میں تم ہی کھڑی باتیں کر رہی ہو۔ مہر بھی قہر بھی امرت بھی زہر بھی۔ آپا جان کیا کہہ رہی ہو۔ اب میں وہ نصیرہ نہیں۔ جو تمہاری سڑی بساندی باتیں سنوں۔ اور جھوٹ سچ اپنے اوپر لیوالوں۔ تم وہی تین برس پہلے کا جھگڑا جھو رہی ہو۔ یہاں اتنے دنوں میں کایا پلٹ گئی۔ اب اُس وقت کا طعنہ نہ دو۔ اور دل پر ہاتھ رکھ کر بات کرو۔ وہ دن سچ مچ میں بے فکری کے تھے۔ اور کچھ میرے ہی انوکھے نہیں دُنیا بھر کے ہوتے ہیں۔ اب تو یقین کرنا۔ امّاں باوا کا مُنہ دیکھتے گزرتی ہے۔ میں کیا اب بھی نہ سمجھوں گی۔ کہ جو کچھ اور وقر ہے ان ہی کے دم تک۔ پھر تو کون کسی کو پوچھتا ہے۔ جب سے امّاں جان گری ہیں۔ چلنا پھرنا درکنار انھیں اُٹھنا بیٹھنا ہی مصیبت ہے۔ اذان کے وقتوں کی اُٹھی چھ گھڑی رات کی توپ چلنے تک ایک ٹانگ سے پھرتی ہوں بچہ بچہ ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اور مجھے تھل سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔ پرسوں ہی ذرا بخار میں پڑ گئی تھی۔ ہنڈیا تک کی کوئلہ ہو گئی۔ اللہ ضمیرہ کی عمر دراز کرے۔ ہر وقت میرے ساتھ لگی لپٹی رہتی ہے۔ مگر بھیڑ کی لات گھٹنوں تک اس غریب کی بساط ہی کیا۔ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں۔ تو گھر کا گھروا ہو جائے۔ بڑی آپا وہ دن چڑھے اُٹھنا دہلیز چھوٹ کر کیا چھوٹے گا۔ امّاں ہی کی دہلیز پر ختم ہو گیا۔ جب سے چھوٹی ممانی جان کے ہاں وعظ میں بے نمازوں کا حال اور دوزخ کا عذاب سُنا ہے۔ میں تو لرز گئی۔ مجھ جیسی نالائق جس کا بال بال گناہوں

میں جکڑا ہوا خدا کے ہاں کیا کرے گی۔ چلنا تو ٹلنا نہیں۔ پھر وہاں کیا کرنی
رات دن رو رو کر گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگتی ہوں۔ کہ میرے گناہ معاف کیجیو۔
اس کے رحم کا بڑا آسرا ہے نہیں۔ تو ہم کیا اور ہماری نمازیں کیا۔ میں نے
کل ایک کتاب میں پڑھا۔ کہ حضرت داؤدؑ جو ایک بڑے پیغمبر تھے۔ جب
خدا کا ذکر کرتے تھے۔ تو کئی کئی دن پہلے سے لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی۔ کہ
فلاں دن حضرت داؤدؑ خدا کی تعریف کریں گے۔ جنگل میں ایک اونچا
سا ٹیلہ ہوتا تھا۔ اس پر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے روتے اور رُلواتے۔ ان
کی آواز میں یہ تاثیر تھی۔ کہ گاؤں گاؤں کے آدمی آ کر جمع ہوتے جانور
تک سُنتے اور گُم سم رہ جاتے۔ اُن سے کوئی خطا ہوئی۔ اور اُن کی آواز
بیٹھ گئی۔ بہت روئے مگر آواز ٹھیک نہ ہونی تھی۔ اور نہ ہوئی۔ آخر ایک
دن سجدے میں گرے۔ اور عرض کرنے لگے۔ الٰہی تجھے میرے رونے
پر رحم نہیں آتا۔ حکم ہوا داؤد رونا تو یاد رہا۔ مگر گناہ بھول گیا۔ عرض کیا۔
اے سچے آقا گناہ کیونکر بھول سکتا ہوں۔ جب تیری پاک کتاب پڑھتا تھا۔ تو
پانی اور ہوا پر اتنا اثر ہوتا تھا۔ کہ چلنے سے تھم جاتے تھے۔ چڑیاں میرے
پاس جمع ہو جاتی تھیں۔ ہرن میرا مُنہ تکتے تھے۔ اے اللہ اب یہ کیا ہو گیا۔
پھر وحی آئی۔ کہ اے داؤد میں نے انسان کو پیدا کیا۔ اس میں روح
پھونکی۔ ضرورت کے واسطے سامان بنایا۔ فرشتوں سے اسے سجدہ کرایا۔
اس کو تمام مخلوق میں بڑا بنایا۔ اس پر بھی اس نے نافرمانی کی۔ داؤدؑ جب
تو نے خطا کی۔ اور ہمارا خیال نہ کیا۔ تو گویا تو نے ہمیں چھوڑ دیا۔ بس جب
تو نے ہمیں چھوڑا۔ ہم نے تجھے چھوڑا۔ جب پھر تو ہمیں یاد کرے گا ہم
تجھے یاد کریں گے۔ داؤد ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ بندہ ہماری اتنی تعریف

کرے۔ جو ہمارے لائق ہے۔ یہ تو اُس کے بس ہی کی نہیں۔ مگر اتنا سمجھے۔ کہ میں تعریف کے قابل نہیں۔ اس ہی پر ہماری تعریف سے ادا ہوگیا۔ کیسی بے نیاز اور پاک ذات ہے۔ اس پر بھی ناشکرا اور ناگنا انسان اس کے حکم ٹالے۔ تو کسی کا کیا کیا۔ اپنا کچھ کھویا دُنیا بھی گئی دین بھی ٭

(تا بعد از نصیرہ)

چھوٹی بہن کا خط منجھلی بہن کو

(۳) کیوں منجھلی آپا جان۔ ایک آنکھ میں لہر بہر ایک آنکھ میں خدا کا قہر اس چھوٹی کھوٹی کی تو اتنی چاہ کہ جھمکوں کی جوڑی چوڑیوں کے بند لحاف کا ابرا گوٹ کا قند سب ہی کچھ اور میرے نام کی یہ دو کنگھیاں اچھی بی ایسی بھیجنے کی کیا ساعت ماری جاتی تھی۔ کہ دو کاٹ کے ٹکڑے بھیج چھدا اُتار دیا کرتے کا کپڑا پرانا دُہرانا برسوں کا رکھا مہینوں کا تہ کیا کپڑے کے چھید اُس میں تیل کے دھبے اس میں میری ہی تقدیر کا رہ گیا تھا۔ ایسی ایسی سوغاتیں تو اپنے اوپر سے صدقے کر کے پھینک دوں۔ یہ نگوڑے سڑے ہوئے شریفے تمہیں بھیجتے ہوئے شرم بھی نہ آئی۔ خدا کی قسم میری ماما نے بھی نہ کھائے بلّی بھی سونگ کر پرے ہٹ گئی۔ بھیجو ایسی آخور کی بھرتی اُترن کھترن صدقہ خیرات اور نام کرو سوغات کا۔ تم تو بڑی ناک والی تھیں۔ چھوٹی چچی جان کے آم اندرسوں میں ہزاروں کیڑے تم نے ڈالے۔ بے چاری رانڈ دُکھیاری سو کا ہاتھ تکنے والی جمیا کے چڑھاوے پر ناک تم نے چڑھائی۔ بھابی جان کے جہیز پر

مُنہ تم آئیں۔ ظہیرہ کی چوڑی مہندی پر بڑھ بڑھ کر تم بولیں۔ مگر بوا کس مُنہ سے پہلے اپنا ٹینٹھ تو دیکھو پیچھے ہی دوسرے کی پھُلّی نکھارنا۔ بڑوں کی مثل اصل ہے۔ "خوان بڑا خنپوش بڑا۔ کھول کے دیکھو تو آدھا بڑا۔" پاریل کی شوں شاں تو یہ کچھ کہ محلے بھر میں دھوم مچ گئی۔ کہ سرور نے پلندہ بھیجا۔ واہ بوا واہ اچھّا بہن کو نوازا بیوی میں ننگی نہیں کہ تمہارے چیتھڑے لگاؤں۔ بھوکی نہیں۔ کہ گلے ہوئے شریفوں سے پیٹ بھروں۔ اللہ کا دیا میرے پاس بھی سب کچھ ہے۔ اللہ میرے کمانے والے کو سلامت رکھّے۔ میں کسی کی محتاج نہیں۔ یہ تمہارا چندہ تمہیں مبارک۔ مجھے معاف کرو۔

(سرورجہاں)

منجھلی بہن کا جواب

(۴) اللہ ری فتنی تیرا تیہا۔ بہن کے نام کی ایسی آگ لگی۔ کہ ایک مُنہ میں سینکڑوں باتیں سُنا ڈالیں۔ لڑکی عقل کے ناخون لے مجھے تو دونو آنکھیں ایک ساں ہیں جیسی بہن تم ویسی وہ میں بے بیچاری دینے کے قابل کب ہوں۔ جو تم نے اتنے نکتوڑے توڑے۔ بوا تمہارا قصور نہیں۔ میں ہی بے عزّت تھی۔ جو خون کا جوش اُچھلا۔ اور تمہاری باتیں سُنیں۔ نیک بخت آگے کو کان ہوئے۔ میں کب کہتی ہوں۔ کہ تم میری بھوکی یا تمہیں شریفے نصیب نہیں۔ مگر ماں کا تو بان بھی بہت ہوتا ہے۔ خدا عقل دیتا۔ تو شریفوں کو نہ دیکھتیں۔ اس دل کو دیکھتیں

جس نے بھیجے۔ بہن محبّت کی دی ہوئی چیز تو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ جو
مجھے میسر ہؤا میں نے بھیج دیا۔ سادی ہنڈی تھی۔ تمہاری طرح سات
پانچ جانتی۔ تو چناں چنیں کرتی۔ تم ماشاءاللہ بڑی آدمی ہو۔ تمہاری خاطر
میں غریب بہن کی چیز کیوں آنے لگی۔ خاطر جمع رکھو اب ایسی خطا نہ
ہوگی۔ چھوٹی کا نام نہ لو۔ وہ تمہاری طرح نخرے پیٹی نہیں۔ اُس کو تو جو
دوں گی۔ چوم چاٹ کر آنکھوں پر رکھے گی۔ بہن کی جان اللہ تمہیں
اس سے دُگنا دے۔ تمہارے دروازے پر ہاتھی جھولیں تم رہتی
دُنیا تک راج کرو۔ مگر بوا وہ مثل نہیں سُنی۔ سونا پہن ڈھانک چل۔
میرا دل ہی جانتا ہے۔ جس محبّت سے مَیں نے کنگھیاں بھیجی تھیں۔
تم اس کو پھینک دیتیں۔ مگر میرا دل تو رکھ لیتیں۔ خیر خوش رہو
آباد رہو میں کہاں اور تم کہاں +

(بدنصیب)

ماں کا خط بیٹی کے نام اور اپنی رائے

منجھلی بیگم کو اماں کی طرف سے بہت بہت دعا۔ مَیں تمہارے
بھانجے کی بیماری سے کچھ ایسی بے اوسان ہوئی۔ کہ خط دیکھتے ہی
پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ تمہارے ابّا نے بہت سمجھایا۔ مگر نانی بندی
کے مُنہ میں خاک۔ دل تھا۔ کہ بیٹھا جاتا تھا۔ دو بجے خط آیا۔ شام پکڑنی
مصیبت ہوگئی۔ چھ بجے کی گاڑی سے برقع اوڑھ ریل میں سوار ہو
یہاں پہنچی۔ رستے کی حالت خدا دُشمن کو نہ دکھائے۔ ایک وہم ہو تو

کہوں۔ ہزاروں طرح کی باتیں تھیں۔ کہتی تھی پر نکل آئیں۔ اُڑ کر پہنچوں۔ اور بچے کو صحیح سلامت دیکھ لوں۔ دھاروں روتی۔ کلیجہ پکڑے۔ گرتی پڑتی یہاں پہنچی۔ تو بچہ ہاتھوں پر تھا۔ خدا خدا کر کے کہیں تیسرے دن جا کر آنکھ کھولی۔ تو ذرا جان میں جان آئی۔ دل ٹھکانے ہوئے تو ادھر اُدھر کے ذکر شروع ہوئے۔ باتوں باتوں میں تمہارے خط کا ذکر آیا۔ خدا گواہ ہے۔ سروری محمودی کا یہ کہنا کہ امّاں مجھے خدا نے اس قابل ہی نہ کیا۔ کہ سرور کے برابر بیٹھ سکوں۔ میرے کلیجے میں تیر لگ گیا۔ بیٹی کیا دُنیا میں امیر غریب ہوتے نہیں۔ دولت ہو جاتی ہے۔ تو اتنے نہیں اکڑ جاتے۔ کہ سگی بہن کو جوتیاں مارنے لگیں۔ پیاری گوندنی کی طرح جھکو۔ نیم کی طرح فرنٹ نہ بنو۔ بڑی بہن کو تو گھرک دیا۔ وہ تو خیر دل مار کر بیٹھ گئی۔ مگر مجھ سے پوچھو۔ کہ میرے دل پر کیا گزری۔ سرور پیاری ایک تھان کے دو ٹکڑے ایک ماں کی دو بیٹیاں بیوی مجھے تو تم سے زیادہ وہ اور اُس سے زیادہ تم وہ بدنصیب تو پہلے ہی کالے کوسوں حیدر آباد پڑی ہوئی ہے۔ تیس چالیس روپے کی آمدنی کہ تم پورا کچّا ساتھ نشتم پشتم گزر رہی ہے۔ اس کا تو پیسہ بھی اشرفی سے زیادہ ہے اس محبّت اور چاؤ سے تو نگوڑی نے چیزیں بھیجیں۔ اس کا یہ پھل ملا۔ کہ شریفے سڑے ہوئے کپڑا پُرانا۔ سروری تم نے بڑی بہن کا دل نہیں دُکھایا۔ مجھ کو تکلیف دی۔ اس کا دل پہلے ہی رہ رہا ہے۔ میری بیٹی ہو گی۔ تو بڑی بہن سے قصور معاف کروا لے گی۔ شاباش شاباش ❖

(ص)

ایک سہیلی کا خط

(۶) اللہ بی سلطانی یہ مسلمانی اور آناکانی۔ بچے کا کرتہ ٹوپی دُنیا کو دکھایا اور نہ دکھایا تو مجھ کو۔ کیا تھا اگر کھڑے کھڑے گمانی کے ہاتھ مجھے بھی بھیج دیتیں۔ میں اس کے موتی تھوڑی توڑ لیتی۔ خالہ اُمتہ کے ہاں دیوار بیچ آئیں۔ دس بجے کی آئی آئی چار گھڑی دن رہے گئیں۔ کھڑکی کھول ادھر بھی دم بھر کو ہو جاتیں۔ تو کیا پیروں کی مہندی چھوٹ جاتی۔ میں نے ڈولی کی آواز سُنتے ہی فہیمن کو بھیجا تھا۔ مگر جب تک وہ پُہنچے پُہنچے کہار ڈولی لے چمپت ہوئے۔ نگوڑی بخار زدہ بہتیرا ہی لپکی۔ مگر کہاں مرد اور کہاں عورت۔ چیخ چاخ لوٹ آئی۔ خیر بوا تمہارے بچے کی ہزاری عمر کرتہ ٹوپی گھس پس پُرانا ہو الٰہی ایک یہ ہزاروں اَوُر۔ تم نے نہ دکھایا تو ہم نے بھی کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی سے سُن ہی لیا۔ تم پوچھو نہ پوچھو مانو نہ مانو تم جانو اور تمہارا کام بے عزّت سمجھو گی تو۔ اور خواہ مخواہ کہو گی تو۔ مُنہ پر آئی تو رُکتی نہیں۔ اس جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں پہلے ہی اچار نکلا جا رہا ہے۔ یہ زری گورنٹ کے کُرتے ٹوپی گوٹے ٹھپے سنے لسے بانکڑی ہیک سے لپے دیکھ کر جی اُلٹتا ہے۔ بچے کے گلے میں تو وبال ہو جائیں گے حاصل نہ حصول فائدہ نہ وصول بیوی کس کا روپیہ ایسا مُفت کا ہے۔ کہ صرف کا صرف کرو۔ اور بے وقوف کے بے وقوف بنو۔ بچے تو پہلے ہی پھول پان ہوتے ہیں۔ پہلی گرمی دھوپ کا تڑاقا۔ اللہ اپنا فضل رکھے۔ یہ بھاری بھاری کپڑے زینت کیا مصیبت سمجھو۔ ایسا

ہی دینے کا ارمان اور امیری کے چوچلے ہیں۔ تو ڈھنگ کی چیز دیں۔
وقت کے مناسب موسم کے لائق ضرورت پڑے۔ تو روپے کے بارہ
آنے تو اُٹھ آئیں۔ یہ کس خدا نے بتایا ہے۔ کہ نام نمود کے کارن بھری
روپیہ اُٹھا چولہے میں جھونک دو۔ غضب خدا کا ساڑھے چھ روپے کی
گوٹ ٹکی نہ بندھی یوں کی یوں ہی رکھی۔ منجھلی خالہ اماں بیچنے جو اٹھیں۔ تو
موئے زری گوٹے والے نے پونے دو روپے لگائے۔ نابوی میں
نے تو کان پکڑے۔ میں تو ان کھٹے گوٹوں سے باز آئی۔

(ساجدہ)

بھانجی کا خط خالہ کے نام

(۷) توبہ خالہ جان۔ آپ کی بہو جان کے ہاں شادی میں جا کر تو
میرا دل اُلٹ گیا۔ ایک رات اور آدھا دن کاٹنا پہاڑ تھا۔ ایسی بولائی
کہ بے ملے اور بے جلے کہا نہ سُنا۔ چھوٹے دروازے پر ڈولی منگا اُدھر ہی
اُدھر اپنے گھر آ پہنچی۔ خالہ جان ایک بات ہو تو کہوں۔ اور ایک رسم ہو تو
پیٹوں۔ کنبے کا کنبہ اور آوے کا آوا ایک رنگ میں رنگا ہوا بڑے سے چھوٹے
تک اور عورت سے مرد تک جو تھا بدعت اور شرک میں پھنسا۔ آرسی
مصحف کے وقت تو دیکھ دیکھ کر میرے ہوش اُڑ رہے تھے۔ میں
کہتی تھی۔ الٰہی یہ آسمان زمین کس کے سہارے کھڑا ہے۔ دولہا کیا
تھا ایک گڈا بنا بیٹھا ہاں جی کا نوکر تھا۔ جوتی یہ کاجل اُس نے پارا
اُنگلی سے کمر بند اُس نے ڈالا۔ کھانڈ اس نے چابی۔ مصری کی ڈلیاں

اُس نے اُٹھائیں۔ جب پڑھے لکھے گھروں کی یہ کیفیت ہے۔ تو بے چارے
اَن پڑھ جاہل تو جتنا بھی کریں۔ کم۔ پھر یہ مزا کیسا۔ کہ وہ غریب تو پریشان
ہوئے جائے۔ اور یہاں زور زور سے ٹھٹے لگیں۔ اُس میراثن مُردا
پر تو مجھے اتنا غصّہ آیا۔ کہ بس چلتا۔ تو ایک ہزار جوتیاں مارتی۔ اور بس
نہ کرتی۔ لڑکا تو گرمی کے مارے ہانپنے جائے۔ پیاس کے مارے
ہونٹوں پر پھپیڑیاں بھیڑ کے سبب ہَوا کا نام تک نہیں۔ دونو ہاتھوں
سے سر پکڑے راہ دیکھ رہا تھا۔ کہ دیکھئے کب ان ظالموں کے پنجے
سے چھوٹتا ہوں۔ کوئی دو ماشہ کھانڈ رہ گئی ہوگی۔ بہتیری ہی بے چارے
نے منتیں کیں۔ ان منتوں پر وہ کڑکتی کیا ہے۔ کہ میاں دُلہن کا ملنا
ایسا آسان نہیں۔ یہ تو چاٹنی ہی پڑے گی۔ خالہ جان تم ہی بتاؤ۔ یہ
تو شادی کیا عداوت ہوگئی۔ نہ معلوم ساس سالیاں کب کے بیر نکال
رہی تھیں۔ دیکھئے خدا کب وہ دن دکھاتا ہے۔ کہ ہم ان فضول رسموں
سے چھوٹیں۔ اور سچ مچ کے مسلمان کہلائیں ؎

(آپ کی بھانجی)

جٹھانی کا خط دیورانی کو

(۸) لو بہو بیگم گھی کے چراغ جلاؤ مدّتوں کی مانی ہوئی مراد اللہ
نے پوری کی۔ اور اماں جان اپنے گھر سدھاریں۔ میں تو خیر غیر تھی۔ مگر تم
بہو بھی تھیں۔ اور بہن کا پیٹ بھی۔ لوگ سنتے ہیں۔ ماں مرے موسی جیے
مگر تم نے یہ کہاوت اُلٹی کر دکھائی۔ اور جو زبان سے نکالا تھا۔ وہ پورا

ردیا۔ تمہاری تمہارے میاں اور بچوں کی صورت کو ترستی پھڑکتی دُنیا
سے اُٹھیں۔ ناشاد رہیں نامراد گئیں۔ مگر کیا جلتی بیوی تھیں۔ فاقہ فقر
کی ترشی سب کچھ سہا۔ مگر بہو بیٹے کی شکایت زبان تک نہ لائیں جب
ا۔ یہ ہی کہا۔ الٰہی کامل کی کھیتی باڑی ہری بھری وہ اپنے بچوں کی بہار
یکھے۔ اماں باوا کی سلامتی میں بہویں آئیں۔ داماد آئیں۔ میری تقدیر
اُس کی کمائی میں نہیں ہے نہ سہی۔ دُلہن بیگم۔ تم نے جو کہا تھا۔ وہ
دکھایا۔ اور جو ارادہ کیا تھا۔ وہ پورا کیا۔ قسم کھائی تھی۔ کہ اب اس
ڈھیا کی زندگی میں شہر نہ آؤں گی۔ تمہاری قسم پوری ہوئی۔ اور وہ
ڈھیا جس نے کامل کو محنت مصیبت سے پال پوس کر جوان کیا۔ جو چاؤ
رمان سے تم کو بیاہ کر لائی۔ گھُل گھُل کر اور جل جل کر جنگل میں جا سوئی۔
دُبہوی اب اپنا گھر سنبھال لو۔ اور بے فکری سے راج کرو۔ کامل
ھائی ہزاروں کما وسینکڑوں اُٹھاؤ۔ جس حق دار کو بے حق کیا تھا۔
ہ چل بسی۔ جس نے لاکھ کی جان تمہارے پیچھے خاک کی۔ وہ حسرت
سے ایک ایک کا مُنہ تکتی گئی۔ کوئی اتنا نہ تھا۔ کہ آخر وقت حلق میں
نی ٹپکا دیتا۔ خدا دُشمن کے مُردے کی یہ مٹی پلید نہ کرے۔ جو ڈیڑھ سو
وپیے کے تنخواہ دار کی ماں کی ہوئی۔ صد آفریں تمہاری مردانگی
ر وہ ماں جس نے فاقے کرکے تمہیں پڑھایا۔ گھنے نیچے بھیک
نگی ننگی رہی۔ اور تمہیں پہنایا۔ بھوکی مری۔ اور تمہیں کھلایا۔ مرتی
فعہ تمہاری ادھی کی شرمندہ نہ ہوئی۔ شاباش کامل میاں شاباش
ں کی یہی آدر ہوتی ہے۔ کہ دُکھ بھرتی اور رنج سہتی دُنیا سے گئیں۔ اور
م آکر جھانکے تک نہیں۔ بھائی تم اور دُلہن بیگم دونو خوش رہو۔ مرنے

سے ایک روز پہلے۔ جب میں نے کپڑے بدلے ہیں۔ تو یہ کہتی تھیں۔ کہ یہ تین ہزار کا کڑا کابل کے لئے رکھا تھا۔ اس کو اس کے بیوی بچوں کو نصیب ہو۔ اتنا کہہ دینا۔ کہ اس میں سے سو روپے میری نماز روزے کے دے دینا ۔

(محمد نساء)

ایک سہیلی کا خط

اچھا بی عائشہ لو میں تمہاری دونوں پہیلیاں بوجھ دوں۔ تو تم مجھے کیا دو۔ مٹھاس سے تو مجھے نفرت ہے۔ دل بھرا پڑا ہے۔ سیر بھر کیا اگر من بھر ہو۔ تو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھوں۔ اللہ رکھے منوں مٹھائی گھر میں آتی ہے۔ قسم لے لو۔ جو کبھی زبان پر بھی رکھتی ہوں۔ بلکہ مجھے تو اماں جان پر تعجب ہوتا ہے۔ جب تک کھانے کے بعد مٹھاس نہ چکھ لیں روٹی ہی ہضم نہ ہو۔ چاہے دو ریوڑیاں ہی ہوں۔ مگر ہوں ضرور۔ آدمی کچھ کھائے تو پیٹ بھر کر۔ یہ بھی کچھ کھانے میں کھانا ہوا۔ کہ جیب چلی نہ سواد پایا۔ مزا بدلنے کے لئے گڑ کی ڈلی منہ میں۔ سو بوا مٹھائی سے تم معاف کرو۔ پہیلیاں میں بوجھتی ہوں۔ سیدھے ہاتھ سے دو نوکتابیں ادھر رکھ دو ۔

ایک تھال موتیوں بھرا۔ سب کے سر پر اوندھا دھرا۔ چاروں کھونٹ وہ تھال پھرے۔ موتی اُس سے ایک نہ گرے ۔ اور کیوں صاحب یہ اتا پتا بھی نہ لکھا۔ خیر لو سنو بوجھتی ہوں ۔

آسمان اور تارے

ہوئی ایک کتاب ؟ لاؤ پہلے یہ بھیجو۔ تو پھر دوسری بوجھوں *
اچھی بی۔ موئے رنگوں کی بھی کچھ ہستی تھی۔ جن کے لئے سینکڑوں قسمیں
و ر ہزاروں منّتیں۔ تم دو کہتی ہو۔ مَیں تمہیں دس لکھ بھیج دوں *
فاختائی۔ پہلے گلابی رنگ لو۔ پھر ذرا سا نیل دے کر پھٹکری اور تھوڑا
سا کتھ دے دو۔ بس فاختائی ہو گیا *
کاسنی۔ پیازی رنگ میں نیل دے لو *
فیروزی۔ پہلے گلِ ٹیسو میں رنگو۔ اور پھر نیل میں۔ رنگ چکو۔ تو ذرا
سی کھٹائی دے دو *
سردئی۔ نیل اور ہلدی میں رنگو *
سبزکاہی۔ پہلے نیل میں رنگو۔ پھر ہلدی میں۔ پھر ناسپال دے دو *
شمشی۔ پیپل کی چھال میں رنگ کر ہڑ کے پانی میں ڈبو لو *
السائی۔ شہاب اور نیل ملا کر رنگ لو *
پیازی۔ ہلکا شہاب اور کھٹائی *
بادامی۔ شہاب کا ہلکا سا رنگت دے کر ڈنڈیوں میں رنگو *
چمپئی۔ ناسپال دے کر ڈنڈیوں میں رنگو *
کہو اب تو خوش ہو یا اب بھی روٹھی ہی رہو گی ؟

(قمر)

خالہ زاد بہن کا خط

۱۰۔ نعیمہ پیاری۔ بہن کا چالہ تو خوب کیا۔ کہ کُنبے بھر میں واہ وا

ہوگئی۔ یہ حمیدہ جیسی نک چڑھی پر کیا جادو کیا۔ کہ ایک ایک کے آگے تمہارے ہی گیت گا رہی ہے۔ اتنی عمر میری بھی ہونے آئی۔ پچپیں چھبیس برس کا ساتھ ہے۔ میں نے تو اس دماغ چوٹی کے مُنہ سے کبھی کسی کی تعریف سُنی نہیں۔ میں تو جانتی تھی۔ کہ چالے میں آکر سینکڑوں نکتو ڑے توڑے گی۔ بھلا وہ بشر جو بیٹی کے سمدھیانے میں نہ چوکی اور بھرے مہمانوں میں بیچے جھاڑ سمدھن کے سر ہوگئی۔ بیٹے کی سسرال میں تو جتنا بڑھ بڑھ کر بولتی۔ کم تھا۔ یقین مانیا۔ میں تو ڈر رہی تھی۔ کہ خدا خیر سے چالہ ختم کرے۔ ماشاءاللہ دونوں کا مزاج ساتویں آسمان پر ہے۔ تم اُن سے زیادہ۔ وہ تم سے۔ ایک آگ ایک بارود۔ ایسا گھول کر پلا دیا۔ کہ کلمہ پڑھ رہی ہے۔ چلو مبارک ہو امی جی سے بھانجی کو رخصت کر دیا۔

مغلانی سے ایک بات سُن کر مجھے ضرور افسوس ہوا۔ یہ کیا غضب کیا۔ کہ ایک رات کی مہمانداری میں یوں تو سیکڑوں اُٹھایا۔ اور یہ بیچارے کمین ہاتھ تکنے والے خالی گئے۔ اور خالی آئے۔ بوا خدا کا شکر ہے۔ سستا سماں ہے۔ پانچ سیر نہیں سات سیر چاولوں میں یہ دس بارہ ٹکے ادھر سے اُدھر ہو جاتے۔ ایک ذرا سی بات میں محلے بھر میں تھُڑی تھُڑی ہوگئی۔ اتنا تو سمجھو یہ پچاس گھر کے آنے جانے والے رتی کو پہاڑ بنا شہر بھر میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ ان کے دینے میں سوچ بچار کرنا بڑی غلطی ہے۔ پھر حق دار بھی تو ہیں۔ سقّہ۔ حلال خوری۔ نائن۔ دھوبن اسی دن کی خیرات مناتے ہیں۔ خیرات سمجھ کر نہ دو۔ اُن کا حق تو دو چار دانوں میں کیا بچ گیا؟ اور ان میں کیا اُٹھ جاتا؟ واہ ری عقل مندی!

کام بھی کیا اور ادھورا ✤ (تمہاری بہن)

۱۱- پوتی کا دادی کے نام

بڑی دادی امّاں صاحب کو لونڈی کا آداب- آج صبح منجھلے ماموں جان حیدر آباد جاتے ہوئے دو گھنٹے کے لئے یہاں بھی ٹھیرے- میرا حصّہ مجھ کو دیا- اور امّاں جان کا اماں جان کو- آپ نے جس محبّت اور شفقت سے تکلیف اُٹھاکر یہ چیزیں مجھ کو بھیجیں- میرا مُنہ نہیں کہ شکریہ ادا کرسکوں دادی امّاں نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں- کہ خدا آپ کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھّے- ہماری ددھیال تو آپ ہی کے دم سے ہے- خدا اس دم کو رہتی دُنیا تک رکھّے- اور آپ جیسی چاہنے والی دادی قیامت تک زندہ رہیں- دیکھئے- وہ کون سا مبارک دن ہوتا ہے- کہ میں اپنی دادی جان کو جُھک کر آداب کروں- اور دادی جان مجھے کلیجے سے لگائیں- مَیں نے آپ کے دو حرف سر پر رکھّے- آنکھوں سے لگائے- اور عمر بھر پاس رکھّوں گی- دادی امّاں اپنے بزرگ کہاں نصیب ہوتے ہیں- آپ کی بیماری کا حال سُن کر سخت رنج ہُوا- اللہ ہماری طرف دیکھے- اور آپ کو تندرست کردے- پر نہیں جو اُڑ کر آؤں- اور اپنی دادی امّاں کے پاؤں دباؤں- دیکھئے ابّا جان کو چھٹّی کب ملتی ہے- آج کل کرتے چھ مہینے تو ہو گئے- ملے یا نہ ملے- میں تو منجھلے ماموں جان کے ساتھ لوٹتی دفعہ آجاؤں گی- امّاں جان جب چاہے آئیں ✤

(آپ کی لونڈی)

۱۲۔ چچی کا خط بھتیجی کو

نور جہاں بیگم کہو گی تو سہی۔ کہ چاہے سر سے کنواں کھودوں۔ چچی جان کے بھانویں ہی نہیں۔ مگر بیٹی کہے گا وہی جس کا جی جلے گا۔ ان اُلفتوں کا کیا بگڑتا ہے؟ تمہارے مُنہ پر آئے تمہاری سی کہی۔ دوسری جگہ پہنچے اُن کی سی۔ جہاں دیکھا توا پرات۔ وہیں ناچے ساری رات۔ انہیں تو اپنے مطلب سے مطلب ہے۔ بیٹی مجھے تمہارے یہ ڈھنگ تو ایک آنکھ نہ بھائے۔ آدمی جتنی چادر دیکھے اُتنے پاؤں پسارے۔ مجھے یہ تمہارے اَللّے تللّے پسند نہیں۔ سو روپے کی آمدنی۔ ڈھائی سو کا خرچ۔ آخر یہ قرضہ کہاں سے اُترے گا؟ ایسی ناسمجھ تو نہیں ہو۔ کہ اتنی بات بھی نہ سمجھ سکو۔ خرچ کم ہونے سے رہے۔ آمدنی چھپر پھاڑ کر ہو گی نہیں۔ چند روز میں ہاتھ گلا۔ اور پھر اپنا دوپٹہ۔ میاں کی پگڑی۔ اس کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میاں اس وقت نہیں بولتا۔ تو کبھی تو آنکھ کھُلے ہی گی۔ آخر مرد ہے۔ رنگ لائے اور لائے۔ یہی نمک حرام جن کا آج بیگم بیگم کہتے کہتے مُنہ خُشک ہوتا ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملائیں گے۔ کہ نوج بہو بیٹی کے یہ ڈھنگ ہوں۔ کہ جو ہاتھ میں آیا سب ختم۔ میرے تو اَوسان اُڑ گئے۔ جب تم نے بنئے سے آٹا قرض منگوایا ہے۔ آدمی کے ساتھ دُکھ سُکھ۔ مرنا جینا سبھی باتیں ہیں۔ میرے مُنہ میں خاک دُھول۔ نوکری اور ارنڈ کی جڑ ہی کیا۔ اگر کل کلاں کو کچھ ایسی ویسی ہوئی۔ تو کے بیسی کا ساٹھ؟ چار چار ماما ئیں گھر میں۔ دو دو نوکر دروازے پر۔ مُغلانی اور اُستانی الگ نہیں بیوی میں نے تو یہ ٹھاٹھ رئیسوں کے بھی نہیں دیکھے۔ ایک تم ایک میاں

کُل دو دم۔ یا چھ مہینے کا پھونسڑا بچّی اور چار چار ماما ئیں! بغیر سُنے تو ہنسے۔ او
اپنے سُنیں تو روئیں۔ ایک نہیں دو رکھ لو۔ دنوں کو جاتے دیر نہیں لگتی۔ یہی
کیڑا فیروز۔ آنکھ بند کرے برابر کی ہوتی ہے۔ اُس وقت کیا کرو گی؟ ان گھُنوا
تو ادھی کی کوڑیاں بھی جُڑنے سے رہیں۔ جی میں تو یہ تھا۔ کہ دفتر کا دفتر لکھ ول
مگر تمہارے غصّے سے ڈر لگتا ہے۔ خدا کے لئے نور جہاں انجام سوچ۔ ہاتھ
روک۔ اور وہ کام کر کہ وقت پر پچھتانا نہ پڑے

۱۳۔ پھوپی کا خط بھتیجی کو

چھوٹی بیگم۔ بہت بہت دعا۔ بیٹی مجھے یہ سُن کر بہت رنج ہوُا۔ کہ مدرسے
کے چندے میں تم نے پھوٹی کوڑی تک نہ دی۔ اللہ رکھّے اتنا اُٹھاؤ اوا
لُٹاؤ۔ اور جس نے دیا۔ اُس کے نام کی ادّھی تک نہ دو۔ مجھے تو تعجّب اس پ
ہوُا۔ کہ تم جیسی لکھ لُٹ بیٹی۔ کہ کبھی پیسہ ہاتھ میں ٹکا ہی نہیں۔ روپیہ ہو چاہے
اشرفی۔ آنے کی دیر ہے۔ ادھر آیا۔ اُدھر ختم۔ اور ایسی کٹّر بن امّاں باو
کے بچّے آس لگا کر گئے۔ اور مایوس ہو کر آئے۔ ہٹّے کٹّے موٹے تازے
خنگرے کے خنگرے جو دروازے پر آ کر صدائیں لگائیں۔ وہ تو بھر بھر
جھولی آٹا اور پیسے لے جائیں۔ اور سچ مچ کے فقیر اس طرح محروم ہوں! بیٹی
بتّو دینے کا مزا تو یہ ہے۔ کہ اس ہاتھ سے دو اور اس ہاتھ کو خبر نہیں۔ اور یہ کیا
کہ خوشامد خورے ہاں میں ہاں ملائیں۔ چھوٹی سچّی کہیں۔ بیوی بیگم بنائیں۔ تو تم
خیرات کرو نہیں تو مُنہ پھیر لو اور رُخ نہ کرو۔ بس تو یوں کہو خیرات خدا کی تو کیا ہوئی اپنی
طبیعت کی ہوئی۔ جن بچّوں کو تم نے گھُرک اور جھڑک کر نکال دیا۔ یہ وہ ہیں جن کی

دُعا عرش کے پار ہوتی ہے۔ تم نے تو قرآن شریف پڑھا ہے۔ وہ آیت یاد ہے۔ جہاں فرماتے ہیں "کھلاتے ہیں ہماری راہ میں یتیموں کو"۔ ایک بزرگ کا ذکر ہے۔ کہ ادھر کھانا کھانا شروع کیا۔ اُدھر ایک بن اماں باوا کا بچہ سامنے آگیا۔ ایک چیخ ماری۔ اور یہ آیت پڑھتے ہی گر پڑے + میری پیاری بچّی۔ اللہ لاکھوں دے۔ الٰہی تمہارے دروازے سے لنگر بٹے۔ اللہ کے نام پہنچتا ہے۔ تو اُن کو جواپاہج ہیں۔ حاجت مند ہیں یتیم ہیں مجبور ہیں اصل دینا اُن کا ہے۔ یوں جیسے جی چاہے۔ اپنا گھر بخش دو +

(عطیہ)

۱۴۔ سہیلی کا خط

پیاری حسن آرا بیگم۔ تمہارا خط آیا۔ بہن سچ سمجھنا۔ تین دن اور تین رات جب تک تم یہاں رہیں۔ دن عید اور رات شبرات تھے۔ افسوس پل مارتے ختم ہو گئے۔ اور وہی کوسوں کا فاصلہ اور منزلوں کی دُوری ہو گئی۔ خُدا وہ کیا مبارک وقت تھا۔ جب دو بچپن کی سہیلیاں سات برس کی بچھڑی ایک دوسرے سے گلے مل رہی تھیں۔ دیکھئے اب وہ وقت کب دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ اور ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ بھی خدا جانے کیا اتفاق تھا۔ کہ تم سہارنپور جاتی یہاں ٹھیر گئیں۔ ورنہ کجا حیدر آباد اور کجا میرٹھ۔ بچے تو تمہارے سامنے ہی سو گئے تھے۔ تمہیں رخصت کر کے جب میں پلنگ پر لیٹی ہوں۔ تو بچپن کے دن آنکھ کے سامنے تھے۔ خدا کی شان ہے۔ ایک وہ وقت تھا۔ کہ دم بھر ایک دوسرے سے جُدا نہ ہو سکتے تھے۔ خالہ جان کہا کرتی تھیں۔ کہ یہ دونو توجڑواں

ہیں۔ دیکھئے گھر کیونکر بساتی ہیں۔ کہ آج کا دن ہے۔ کہ دنوں اور راتوں۔ مہینوں اور برسوں ایک دوسرے کی صورت کو ترستیں۔ اور دیکھنی نصیب نہ ہو۔ دُنیا کے جھگڑے ایسے پیچھے پڑے۔ کہ وہ اُمنگیں اور ترنگیں سب خاک میں مل گئیں ؀

کیوں پیاری حنا پیپل والے گھر کا جھولا یاد ہے؟ سلیمہ گرم گرم پھلکیاں تل تل کر لا رہی تھی۔ اور ہم دونوں لہک لہک کر ملہار گا رہے تھے۔ سلیمہ کا خیال آنے سے کلیجے پر سانپ لوٹ گیا۔ نگوڑی کرموں جلی کی ایسی تقدیر پھوٹی۔ کہ ایک چھ ہی مہینے میں سب اُف ہو گیا۔ یہ ہم سے کس بات میں ہیٹی تھی۔ تمہیں کیا یاد نہ ہوگا۔ اس کا جوڑا چڑھاوا مجھ سے اور تم سے دونو سے بہتر تھا ان ہی بیوی کے جہیز پر تو اس سرے سے اُس سرے تک سارا بازار بول اُٹھا تھا۔ کہ صد آفریں اس کی ماں کو جس نے رنڈاپے میں بیٹی اس شان سے رُخصت کی۔ جھومر جُھلنیاں۔ لچھے۔ چوڑیاں کیا چیز تھی۔ جو اس کے پاس نہ ہو۔ دُھرا اور تھرا۔ سادہ الگ۔ جڑاؤ الگ۔ گوندنی کی طرح لدی ہوئی تھی۔ مگر ایک میاں کے بے ڈھنگے پن نے سب خالصے لگا دیا۔ دھڑی دھڑی کر کے بیچا۔ اور دانت کُریدنے کا تنکا تک نہ چھوڑا۔ اللہ بخشے چچا باوا نے کتنا کچھ چھپایا کہ دیکھ سلیمہ کی ماں کیا غضب کرتی ہے۔ جب لڑکا ہی پڑھا لکھا نہیں۔ تو اس ہڈی کو کیا آگ لگانی ہے؟ اری بے وقوف اس لڑکے کو بیٹی دینا بیٹی کے واسطے دوزخ مول لینا ہے۔ الف کے نام بے اسے نہیں آتی۔ بدمعاشوں کی صحبت میں وہ بیٹھے۔ مرغ وہ لڑائے۔ کبوتر وہ اُڑائے۔ اری نادان اُسے اپنے ہی چاک چاک لونڈوں سے فرصت نہیں۔ پرائی جنی کو کیا بھرے گا؟ تو تو اپنی عمر پوری کر چل بسے گی۔ اور اس بیچاری کو جیتے جی مُردہ بنا جائے گی۔ اس لڑکے سے

فلاح ہوئی نہیں۔ اس اصل نسل ہڈی کو لے کر کیا چچوڑنا ہے؟ مگر خدا پھوپی جان کی ارواح نہ شرمائے۔ اُسی اپنی ایک دُھن پر اڑی ہیں۔ جواب دیا تو یہ پڑھے لکھے کو کیا آگ لگائی ہے؟ جب خاندان میں ہی نہ ہوئی۔ مجھے یہ ست بے بھڑا پن نہیں بھاتا۔ کہ دولت کے کارن آدمی اپنے خاندان کو بٹہ لگا دے۔ قندھار کے آئے اصل نسل کے ولائتی۔ جن کی یہ عزت کہ بادشاہ تک نے بڑے آخوندجی کے سامنے کبھی بیٹھ نہیں کی۔ ایسے لڑکے نصیب کس کو ہوتے ہیں۔ اور کون کہتا ہے۔ کہ پڑھا لکھا نہیں؟ میں نے تو آپ اُس کے ہاتھ کا تعویذ دیکھا ہے۔ موتی پروئے ہوئے معلوم ہوتے تھے*

مرغوں اور کبوتروں کی جو کہو۔ اُس میں گناہ کیا ہوا؟ دن بھر چچا کے ساتھ درگاہ میں بندھا بیٹھا رہتا ہے۔ گھڑی آدھ گھڑی کو بھی نہ کھیلے۔ تو آخر لڑکا ہے۔ فرشتہ تو ہے نہیں۔ یہ سارا شہر بھرا پڑا ہے۔ وہ کونسا ایسا اولیاء اللہ ہے۔ جسے رات دن اللہ رسول سے فرصت نہیں۔ مجھے تو یہ لڑکا بلّی کے بھاگوں چھینکا ہے۔ بھلا میرے ایسے کہاں نصیب کہ آخوندجی والوں کے قدم میرے گھر پر آئیں۔ میں نے تو یہ سب ہی کچھ دیکھ لیا ہے۔ اب آگے لڑکی کی تقدیر۔ ماں باپ جنم کے ساتھی ہیں کرم کے نہیں*

حسنا بہن جب ماں ہی کی آنکھوں پر خدا نے پٹی باندھ دی۔ تو پھر میں کون اور تم کون؟ تین ساڑھے تین ہزار اپنے پاس تھا۔ وہ دیا۔ ہزار بارہ سو قرض لے کر دیا۔ پانچ ہزار آخر کچھ جان بھی رکھتے ہیں۔ نہیں ہاتھی کا پاؤں ہیں۔ شہر بھر میں واہ واہ ہو گئی۔ داماد صاحب کی کچھ دن تو وہ آؤ بھگت ہوئی کہ ساس اور خلیا ساس دونوں اردلی میں کھڑی ہیں۔ داماد کیا تھا۔ چھوٹی آنکھ کا دیدہ۔ یا ندیدے گھر کا علیدہ تھا۔ جہاں آنے کی خبر ہوئی۔ او سوروانوں پر

نڈیاں چڑھیں۔ کہ کوئی مُنہ سے توڑے نہیں۔ ٹھر بھر ہے۔ کہ آنکھیں بچھا رہا
ہے۔ داماد صاحب اس فکر میں کہ بس چلے تو ساس اور خلیا ساس دونو کو
بیچ کر مُرغ لڑالوں۔ کچھ دن تو قرض دام پر گزر ہوئی۔ آج ساس سے کل خلیا
ساس سے مگر روز کے خرچوں کو کہاں سے آئے؟ کھیتی تو رکھی ہی نہیں تھی۔
بیوی کے گہنے کی نوبت آئی۔ بالیاں چلیں۔ پتّے چلے پہنچیاں پہنچیں۔ انگلیاں
گئیں۔ غرض یہ کہ بیوی کے بدن پر تار تک نہ رہا۔ کچھ دن تک ساس بھرتا
بھرتی رہیں۔ اُن کے مرنے سے وہ سہارا بھی گیا۔ پڑھے لکھے ہوتے کہیں دس پانچ
کی نوکری ڈھونڈھتے۔ سو کس کا پڑھنا اور کس کا لکھنا۔ عمر بھر کبوتر اُڑائے اور
مُرغے لڑائے۔ زیور گیا۔ برتن بکے۔ اور فاقوں پر گزر ہونے لگی۔ لوگ کہتے ہیں
اولاد نعمت ہے۔ میں کہتی ہوں۔ ہوت میں نعمت۔ نہ ہوت میں مصیبت۔ کچھ
ٹھکانا بھی ہو۔ دو نہیں چار نہیں غضب خدا کا۔ نو لڑکے پانچ لڑکیاں۔ چودہ
بچے۔ خدا قہر سمجھ لو۔ جب میں تیورس سال۔ اللہ رکھے سلمہ کے بیاہ پر گھر گئی
تھی۔ تو بلوایا تھا۔ مَیں اُس کی شکل دیکھ کر سکتے میں رہ گئی۔ مُردوں کی سی
صورت لونڈیوں کا سا ہڈرا پہچانی تک نہیں گئی۔ میں خبر نہیں کس کام کو
باہر نکلی۔ دیکھتی ہوں۔ تو تخت پر مُنہ موڑے بیٹھی ہے۔ امّاں جان نے کہا چھوٹی
بہن سے تو ملو۔ پاس جا کر دیکھا۔ تو سچ مچ۔ میرا دوڑ کر گلے ملنا تھا۔ کہ آنکھ سے
بے قطار آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں۔ اُٹھا کر اندر لائی۔ پاس بٹھایا۔ باتیں
کیں۔ اس کی مصیبت بھری داستان سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے
میں کوئی پندرہ دن آگرے ٹھیری چلتے وقت اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔
تحصیل میں میاں کو نوکر رکھوا دیا۔ اب دوسری تحصیل باغپت میں
بدلی ہو گئی۔ بدنصیب اپنے دن پورے کر رہی ہے۔ اور خاندانی

شرافت کو پیٹ رہی ہے ۔ خدا نہ کرے۔ کہ ایسی شرافت دُنیا میں کسی کو نصیب ہو
اور ایسے اصل نسل خاوند سے کسی کا پالا پڑے ۔

(زہرہ)

۱۵۔ شاگرد کا خط اُستانی کو

اُستانی صاحبہ مکرمہ۔ آداب عرض ہے۔ حضرت جی یوں تو مَیں ہمیشہ آپ جیسی شفیق اُستانی پر فخر کرتی ہوں۔ مگر کل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ دیکھا۔ میرا مُنہ نہیں کہ اُس کی تعریف کرسکوں + آپ کا نماز کے وقت اُٹھ کر خدا کی عبادت اس سچّے دل سے کرنا۔ اور اس سے فراغت پا کر گھر کے کام دھندوں میں ایسی تن دہی سے پڑنا۔ غرض آپ کے دن اور رات کا ہر ایک لمحہ اس قابل ہے۔ کہ اس سے ہم آپ کی لونڈیاں سبق لیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ اُستانی صاحبہ میں خوشامد نہیں کرتی۔ آپ کے گھر کا چپہ چپہ اور کونا کونا آپ کے انتظام اور نفاست کا پتہ دے رہا تھا۔ باوجود اس ضیعفی اور علالت کے آپ کا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنا۔ اور دو تو ماماؤں کا محتاج نہ رہنا ہمارے واسطے ایک مثال ہے۔ اس وقت تک آپ کا محلے کی لڑکیوں کو فیض پہنچانا اور بخار کی حالت میں سبق دینا ایسا ہے۔ کہ بے ساختہ دل سے دُعا نکلتی ہے۔ خداوند کریم آپ کی عمر میں برکت دے۔ اور یہ دریا جس سے چھوٹے بڑے سب سیراب ہو رہے ہیں ہمیشہ بہتا رہے۔ میری ایک التجا ہے۔ اور مجھے اُمید ہے۔ کہ آپ ازراہِ شفقت اس کو رد نہ کریں گی۔ آپ اپنے ہاتھ سے مجھ کو اپنے وقت کی تقسیم لکھ کر بھیج دیجیے

کہ آپ کس کس وقت کیا کیا کام انجام دیتی ہیں ⁂

(آپ کی تابعدار لونڈی زہرہ)

۱۶- اُستانی کا جواب

میری پیاری زہرہ۔ بہت بہت دعائیں۔ تمہارا دستی خط مجھے کل ملا۔ افسوس میں اس کا جواب کل ہی نہ دے سکی۔ اس لئے کہ میرے پاس کل کوئی وقت نہ تھا۔ اور میں خطوں کے جواب دو بجے لکھ چکی تھی پیاری بچی! تم نے جو کچھ لکھا۔ میں اُسے پڑھ کر خوش ہوئی۔ مگر اب میں جو کچھ کر رہی ہوں۔ اُس کی عزّت زیادہ تر اُن عادتوں کو حاصل ہے۔ جو بچپن سے پڑی ہوئی ہیں۔ اور قبر تک نہ چھوٹیں گی۔ اگر کسی وقت بھی خالی ہوں۔ تو جی گھبرانے لگے۔ اور بے چین ہو جاؤں۔ امّاں جان کا یہ فقرہ ہر وقت مجھے یاد رہتا ہے۔ کہ "عورت کو خدا نے اس لئے نہیں بنایا۔ کہ وہ خالی بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں لڑایا کرے۔ اس کی ذمّے داریاں مرد سے زیادہ مشکل ہیں۔ اس کے سپرد ایسی چیزیں کی گئی ہیں۔ کہ وہ غفلت کرے۔ تو جانوروں تک کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ اُس پر لعنت بھیجیں۔ اُس کو قدرت نے ایک خاندان یعنی چند آدمی حکومت کے واسطے دئے ہیں۔ مگر کیسی حکومت؟ ایسی کہ وہ ان کے آرام و آسائش سے کبھی بے خبر نہ ہو۔ بچّوں کی تربیت میں اگر اُس نے رتی بھر لا پروائی کی۔ تو اُن کی دین و دُنیا دونوں برباد ہو گئے۔ تم جب کسی عورت یا مرد کی اچھی یا بُری عادت سُنو۔ تو یقین کر لو۔ کہ یہ ماں کی گود سے حاصل ہوئی ⁂ خاوند کے آرام کا اگر خیال نہ کیا۔ تو اُس بیوی سے لونڈی

بہتر۔ مختصر یہ کہ اگر عورت اپنے فرضوں پر غور نہ کرے۔ اور زندگی صرف اسی کا نام سمجھے۔ کہ کھا پی لیا۔ اور سو گئے۔ تو اُس کا جینا فضول ہے" اسی خیال کی وجہ سے میں اب بھی جو کچھ ہو سکتا ہے۔ لگی لپٹی رہتی ہوں۔ گو ہاتھ پاؤں جواب دے چکے۔ دماغ بھی خراب ہو گیا۔ مگر کرتی ہوں۔ جو کچھ کر سکتی ہوں تم نے جو میرے کاموں کا حال پوچھا ہے۔ مجھے لکھنے میں عذر نہیں۔ لو سُنو۔ جو کرتی ہوں وہ یہ ہے:۔

صبح کی نماز۔ کلام اللہ پانچ بجے سے ساتھ بجے تک۔ جھاڑو بہارو سات سے ساڑھے سات تک۔ ناشتے کا سامان سات سے آٹھ تک کھانا پکانا آٹھ سے ساڑھے نو تک۔ کھانا نکالنا اور دینا ساڑھے نو سے ساڑھے دس تک۔ کھانا کھانا ساڑھے دس سے گیارہ تک۔ مطالعہ گیارہ سے بارہ تک۔ آرام بارہ سے ایک تک۔ نماز ظہر ایک سے ڈیڑھ تک سینا پرونا ڈیڑھ سے ڈھائی تک۔ لکھنا ڈھائی سے ساڑھے تین تک۔ پانی کا انتظام ساڑھے تین سے چار تک۔ نماز عصر چار سے سوا چار تک جھاڑو بہارو سوا چار سے ساڑھے چار تک تیل بتی ساڑھے چار سے پونے پانچ تک۔ کھانا پکانا پونے پانچ سے پونے چھ تک نماز مغرب پونے چھ سے چھ تک۔ پان چھالیا۔ چھ سے ساڑھے چھ تک۔ بچوں کے کام ساڑھے چھ سے سات تک۔ کھانا نکالنا سات سے آٹھ تک۔ نمازِ عشا ساڑھے آٹھ سے سوا نو تک + (رحمت ۲۵ نومبر)

۱۷۔ ممانی کا خط بھانجی کو

بھانجی بیگم! یہ آج کدھر کا چاند نکلا۔ کیا جاتی دُنیا دیکھی۔ جو ممانی کو یاد

کیا۔ بیٹی تم اپنے دل سے سمجھو یا نہ سمجھو۔ مجھے تو تم وہی بانو ہو۔ جو آپا جان کے جیتے جی تھیں۔ لاکھ الگ تھلگ رہو۔ مگر بوی کہیں ناخنوں سے گوشت جدا ہوتے ہیں۔ پر محلہ کیا پر شہر جا بسو۔ کہلاؤ گی میری بھانجی ہی۔ تم نے غیروں کو بھی مات کیا۔ کوئی مرے تو جئے تو۔ تمہیں واسطہ ہی نہیں۔ صالحہ کے عقیقے دُنیا آئی۔ مگر نہ آئیں تو تم۔ لڑائی تو مجھ سے ہوئی تھی۔ بیر تھا تو مجھ سے تھا۔ وہ بیچاری تو اُس وقت یہاں جمی جم تھی۔ میرے ساتھ اُس کو بھی لپیٹ لیا۔ اس بد نصیب کی تقدیر میں تو پہلے ہی خوشی نہیں ہے۔ چھ میں ایک پھونسڑا دکھائی دیا ہے۔ جی بچا تو نہیں تو ابھی کس نے دیکھا۔ آجاتیں۔ اس کا دل بڑھ جاتا۔ نہ آئیں۔ تو اُس کا کچھ زور نہ تھا۔ سگے چچا کی بیٹی بہن خدا خدا کر کے یہ دن ہوا۔ اور تم شہر کی شہر میں آ کر جھانکی تک نہیں۔ آج کو آپا جان زندہ ہوتیں۔ ایک لڑائی نہیں ہزار لڑائیاں بھی ہوتیں۔ تو یہ نہ ہوتا۔ کہ صالحہ کے ہاں یہ دن ہو۔ اور وہ مبارکباد تک نہ دیں۔ اگر اپنوں سے بھی اپنایت کی بُو نہیں آئی۔ تو پھر اپنوں اور غیروں میں فرق ہی کیا رہا؟ بیٹی خدا لڑنی رین کرے بچھڑنی رین نہ کرے۔ لڑے ہیں تو ملیں گے۔ اور رُوٹھے ہیں تو منیں گے۔ مگر جو بچھڑ گئے وہ اب کہاں؟ وہ تو ایسی جگہ جا سوئے۔ کہ دُنیا چھان مارو۔ ان کی صورت نہیں دکھائی دے گی، وہ نگوڑا کُنبہ ہی کتنا رہ گیا۔ انے گنے تین گھر سمجھ لو ہیں جس وقت بیاہی آئی ہوں۔ تم تو اُس وقت چار ہی مہینے کی تھیں۔ مگر یہ بڑا مکان آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، وہ سب ایک ایک کر کے چل بسے۔ جو دو چار اُن وقتوں کی دیکھنے والیاں رہ گئیں۔ وہ بھی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہیں۔ اب نئی نانتی والیاں آگے چل کر کیا کریں گی۔ جو ابھی سے ایک دوسرے کی دشمن اور خون کی پیاسی ہیں؟ بیٹی آخر دُنیا میں رہنا ہے۔ اللہ بچوں کو عمریں دے

اُن کے شادی بیاہ کرنے ہیں۔ تم کسی کے ہاں بیٹھو گی۔ تو کوئی تمہارے وقت پر آئے گا +

اللہ تمہاری نساء کی عمر دراز کرے تمہیں اس کی بسم اللہ مبارک میں سر آنکھوں سے آؤں گی۔ اور ہو سکا تو صالحہ کو لے کر۔ گود کا بچہ کچھ ایسا پڑا ہے کہ دُنیا بھر کے جتن کر ڈالے۔ بخار کسی عنوان نہیں اُترتا۔ مگر جس طرح بھی ہو گا آؤں گی۔ اور لاؤں گی +

۱۸ بہن کا خط بھائی بھاوج کو

بھائی سعید اور دُلہن بیگم۔ دونوں کو عید مبارک۔ آتی ایک یہ اور ہزاروں اور بچوں کی سلامتی میں آنی اور منانی نصیب۔ وحید تو اللہ رکھے اب کے باپ کے ساتھ عید گاہ گیا ہو گا۔ ٹھُم ٹھُم کا رسیا تو وہ پہلے ہی سے تھا۔ اب تو ماشاء اللہ خوب زبان کھُل گئی ہو گی۔ دُنیا بھر کی باتیں بناتا ہو گا۔ دیکھنے کو جی ترستا ہے دُلہن بیگم تم نے پردیس جا کر ایسی چھاؤنی چھائی۔ کہ شہر آنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ خیر جہاں رہو۔ خوش رہو۔ پندرہ پندرہ دن سے خط لکھنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ مگر عید کا سرا۔ بچوں کے کپڑے۔ گھر کا دھندا۔ نہ دن فرصت ہوتی تھی نہ رات ناصر کی ہزاروں منتیں کیں۔ کہ ذرا سا پرزہ بھائی کو لکھ کر ڈال دے۔ ایک نہ سُنی آج باسی عید ہے۔ سب کام کاج چھوڑ چھاڑ یہ خط لکھ رہی ہوں +

کل کا دن جیسا میرا گزرا۔ خدا دُشمن کا نہ گزارے۔ اور ایسی عید خدا بیرن کو نہ دے۔ نماز سے لوٹتی دفعہ ناصر نور جہاں کے دونوں بچوں کو ساتھ لیتا آیا۔ بچے شرم کے مارے اندر نہ آئے۔ باہر بیٹھ گئے۔ مجھے کیا خبر کہ مری ہوئی

بہن کے لال پھٹے کپڑے بُرے احوال ڈیوڑھی میں بیٹھے ہیں ظہر کی نماز کو اُٹھتی تھی۔ جو سکندر نے کہا۔ کہ آپ کے دونو بھانجے باہر بیٹھے ہیں۔ جاکر دیکھتی ہوں۔ تو نورجہاں پیاری کے کلیجے کے ٹکڑے لیبڑیاں لگائے باہر کھڑے ہیں۔ ان کی صورت دیکھتے ہی میری طبیعت بگڑ گئی۔ اور یہ خیال آیا۔ کہ عید کا روز برس کا برس دن امیر اور غریب سب ہی نے اپنی اپنی حیثیت کے لائق جوتی کپڑا بدلا ہوگا۔ مگر تقدیر میں نہ تھا۔ تو ان بچوں کے۔ جو آج بھی چیتھڑے لگائے اور کھلے پہنے پھر رہے ہیں۔ ساتھ لے کر اندر آئی گلے سے لگایا۔ پیار کیا۔ بلائیں لیں۔ باتیں کیں۔ خدا گواہ ہے۔ کلیجہ کٹ گیا۔ جس وقت چھوٹے نے کہا۔ آج کل دادی جان کا ہاتھ تنگ ہو رہا ہے۔ ہمارے کپڑے بقرعید پر بنیں گے۔ نگوڑے کی کچھ بساط بھی ہو۔ رمضان ہی کے چاند سے تو ساتویں میں لگا ہے۔ بچے کا یہ کہنا ایک تیر تھا۔ جو میرے کلیجے پر لگا۔ کہ اے اللہ آج دادی کے سوا کوئی اتنا نہ تھا۔ کہ اس کا دل رکھ لیتا۔ ایک ماں کے مرنے سے کیسی مٹی پلید ہوگئی۔ کیا بتاؤں جو بےکسی اور حسرت اُس کے چہرے پر برس رہی تھی ؛

پیارے سعید! یہ اُس بہن کے لال ہیں۔ جو جب تک جی۔ تم پر پروانہ رہی۔ جو کچھ پاس ہوا کبھی تم سے عزیز نہ کیا۔ مرنے سے مہینہ بھر پہلے جب تم پر مقدمہ ہوگیا۔ تو اسی بہن کا دل تھا۔ کہ چڑھاوے کی جھلنیاں نکال تمہارے آگے رکھ دیں۔ اماں جان تک کی صلاح نہ تھی۔ کہ سسرال کی چیز ہے۔ اور پھر ایسی ظالم ساس اور کٹر میاں۔ مگر اُس نے یہ ہی کہا۔ کہ مجھے زیور سعید سے زیادہ نہیں۔ جو ہوگا بھگت لوں گی۔ مگر اماں جان یہ تو نہیں ہوسکتا۔ کہ بھائی کی عزت پر حرف آئے۔ اور میں جھلنیاں مٹکائے پھروں۔ جھلنیاں تو اللہ

[illegible] عزت گئی تو یہ ہاتھ نہ آئے گی۔ حکم تو خدا ہی کا تھا۔ کہ
[illegible] مصیبت [illegible] گی۔ مگر مرنے والی وہ کر گئی۔ کہ آج کنبہ بھر اس کی
[illegible] مانگے سو۔ پچاس مانگے پچاس۔ جب تم نے کہا۔ اور جو کچھ
کہا۔ اُس بہشتن نے انکار نہ کیا۔ قرض لیا۔ بھیک مانگی۔ دیا۔ دوسروں سے
لے کر دیا۔ مگر تم کو دیا۔ آپ دُکھ بھگتے۔ اور تمہارا ابھرنا بھرا۔ تمہیں کیا یاد نہ
ہوگا۔ دُنیا نے سمجھایا۔ بڑی خالہ جان نے تمہارے ہی مُنہ در مُنہ کہا تھا۔
کہ بے وقوف تیرا ابھی تو بچوں کا ساتھ ہے۔ تو آئے دن کی مریضن۔ بارہ
مہینے کی بیمار۔ ان معصوموں کا بھی تو خیال کر۔ یہ کس کس کے دروازے پڑتے
پھرینگے؟ بھائی تو اللہ رکھے جوان تندرست ہٹا کٹا موٹا تازہ مٹی میں لات
مارے گا۔ تو پیسہ پیدا کرے گا۔ مگر یہ نگوڑے روکے روٹی مانگنے والے میرے
مُنہ میں خاک تیری آنکھ بند ہوگئی۔ تو کہاں مارے مارے پھرینگے۔ مگر اُس
بھولی بھالی کے کان پر جوں تک نہ چلی۔ کسی کو تو بھائی سے محبت ہوتی ہے
مگر اُسے عشق تھا۔ وہ عاشقِ زار بہن۔ جو تم کو آدمی بنا کر ہزاروں من مٹی کے
نیچے جا پہنچی۔ جو اپنی جمع پونجی سب تم پہ سے لُٹا گئی۔ تمہیں کچھ خبر بھی ہے۔ کہ
اُس کے بچوں پر کیا گزر رہی ہے؟ اُس نور جہاں کے بچے جو مرتے مرتے
تمہاری دُلہن کو جھومر چڑھا گئی۔ آج فاقے سے سوتے ہیں۔ اس جلّے کی
سردی میں۔ کہ دانت سے دانت بجیں۔ تمہارے بچوں کی اتائیں تک
فرّخ آبادی لحاف اوڑھیں۔ اور یہ دونوں معصوم ایک پھٹے سے کمبل میں
لپٹ کر رات تیر کر دیں؟ یہ وہی دونوں تو ہیں۔ جو ماں کے سامنے بغیر پراٹھے
کے ٹکڑا نہ توڑتے تھے۔ اور آج ان کو روکھی روٹی اور سوکھے ٹکڑے بھی غنیمت
ہیں۔ یہ عید کا روز دُنیا کے بچّے عید گاہ جائیں۔ کھلونے کھائیں۔ مٹھائیاں

کھائیں۔ اور ان بدنصیبوں کو عیدگاہ لے جانا تو درکنار۔ کوئی اتنا نہ ہو۔ کہ خدا کے واسطے ثابت جوتی اور اُجلے کپڑے پہنا دے ۔

بھائی خدا سے ڈر۔ اور ان پر رحم کر۔ ان کے ننھے سے دل ذرا سے سلوک میں باغ باغ ہو جائیں گے۔ اور مری ہوئی بہن کی اروح نہال نہال ہو جائے گی۔ ان کا حق نہ سمجھ۔ اپنے بچوں کا صدقہ ان پر رحم کر۔ اور ان کے سر پر ہاتھ رکھ۔ ان کے ذہیر دل سے میٹھی میٹھی دعائیں نکلیں گی۔ اور تجھ کو ماں کا دُودھ ہو کر لگیں گی۔ خدا دیکھتا ہے۔ سعید میں ان بچوں کو آپ کلیجے سے لگا رکھتی۔ اور ماں کا مرنا انہیں بُھلا دیتی۔ پر کیا کروں۔ بے بس ہوں۔ سُسرال کا معاملہ ہے۔ ساس نندوں کا ساتھ۔ دُنیا بھر میں ڈھنڈورا پٹ جائے گا۔ کہ ساری کمائی بھانجوں پر اُٹھ رہی ہے۔ سعید مجھے ان دونوں کا خرچ دوبھر نہیں۔ جو کچھ ہو گی بھگت لوں گی۔ مگر تم کو اُنتیسویں دن پانچ روپیے مہینہ بھیجے جاؤں گی۔ مرنے والی پر نہیں بچوں پر نہیں۔ مجھ پر اتنا احسان کر۔ کہ ان دونوں کو اپنے پاس بلا لے۔ سعید خدا کمائی میں برکت دے گا۔ اور مرنے والی بہن کی روح خوش ہو جائے گی ۔

(ک)

۱۹- ایک پھوپی کا خط بھتیجی کو

آنکھوں کی ٹھنڈک۔ کلیجے کے ٹکڑے پیاری ملکہ۔ بُوڑھ سہاگن ہزاری عمر۔ آج تمہاری چوتھی ہے۔ اور میں ہزاروں کوس دُور بیٹھی سمدھنوں کی بہار دیکھ رہی ہوں۔ سارا سماں آنکھ کے آگے ہے۔ تم کہتی تو ضرور ہو گی۔

کہ پھوپی جان کے سب چھپر دلاے تھے۔ مگر بیٹی میرا خدا دیکھتا ہے۔ جلیسی جلیسی آنے کو تڑپتی ہوں۔ تمہارے پھوپا جان کا پیٹھ پیچھا ہے۔ اُنہوں نے کوشش میں کسر نہیں کی۔ مگر حاکم ہی تقدیر سے ایسا پلّے پڑا۔ کہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ میں تو ان کی بھی پروا نہ کرتی۔ اور اکیلی چل کھڑی ہوتی۔ مگر ریل بھی نو یہاں سے تیس کوس ہے۔ اس پر چوروں کی چھینا جھپٹی یہ کچھ کہ رات دن مسافر لُٹ رہے ہیں۔ کیا کروں دل مار کر بیٹھ گئی۔ نہیں تو میں اور اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے دُلہن نہ بناتی؟ پر نہیں جو اُڑ کر آؤں اور دیکھوں۔ کہ پیاری ملکہ کیسی دُلہن بنی۔ خیر جیتی ہوں تو اگلے مہینے میں سہی ؛

تمہاری ساس کو میں اُس وقت سے جانتی ہوں۔ جب تمہارے میاں گود میں تھے۔ حسن پور میں برسوں ان کا میرا ساتھ رہا ہے۔ کیسی مسکین بیوی ہیں۔ کہ کبھی کسی سے بگڑنا جانتی ہی نہیں۔ پھر تم جیسی بے زبان بہو کو تو وہ سر آنکھوں پر بٹھائیں گی۔ وہ بھی خوش نصیب اور تم بھی خوش نصیب۔ خدا شکّر خورے کو شکّر دیتا ہے۔ انہیں جیسی بہو کا ارمان تھا۔ ویسی بلکہ اُس سے افضل اور تمہیں جیسی ساس کی ضرورت تھی۔ اللہ نے اُس سے بہتر دی۔ ملکہ بیگم تمہاری ساس ایسی ساس ہے۔ کہ چراغ لے کر ڈھونڈو۔ تو ایسی ساس نہ ملے گی ؛ مجھے ان بہوؤں کی حالت پر رونا آتا ہے۔ جو چالوں ہی میں ساس نندوں کی جانی دُشمن ہو جاتی ہیں۔ اور اتنا نہیں سوچتیں۔ کہ یہ ماں جس نے دُکھ سہے مصیبتیں بھگتیں۔ اور آج خدا نے اُسے یہ دن دکھایا۔ کہ بہو والی کہلائی۔ کس طرح دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکیں۔ مجھے تمہاری سعادتمندی سے اُمید ہے۔ کہ تم اپنی ساس کو ماں سے بڑھ کر سمجھو گی۔ اور دُنیا کو دکھا دو گی کہ ساس بہوئیں بھی ماں بیٹیاں ہو سکتی ہیں۔ بہو اگر دل پر رکھ لے تو ساس کا آرام کرنا

کوئی بڑی بات نہیں۔ آدمی کسی کے دل میں گھر کرنا چاہے اور نہ ہوسکے ؟

میری اس نصیحت کو یاد رکھنا۔ ساس کا سر کرلینا میاں کو فتح کرلینا ہے۔ رہی نندیں۔ ایک کواری ہے۔ ایک بیاہی ۔ بیاہی کا تو ذکر ہی نہیں۔ کبھی برس چھٹے مہینے دو چار دن کو آئی۔ رہ گئی۔ ہاں چھوٹی کا ہر وقت کا ساتھ ہے سو وہ بھی سدا رہنے والا نہیں۔ لاکھ شریر اور شوخ ہو۔ مگر پھر بچّہ ہے۔ چمکار کر رکھو گی۔ تو کلمہ پڑھے گی۔ اوروں کی تو مجھے خبر نہیں۔ اپنی کہتی ہوں چودہ برس کی بیاہی گئی تھی۔ اپنے پھوپا جان کا مزاج تو تم خود ہی جانتی ہو۔ گھڑی میں اولیا۔ گھڑی میں بھوت۔ امّاں جان بھی اللہ بخشے مزاج کی کڑوی ہی تھیں۔ ماشاءاللہ بھرا گھر تھا۔ دیور جیٹھ دیورانیاں جٹھانیاں سگی نندیں، چچا جان کی بیٹیاں مگر اپنی اماں جان سے پوچھو۔ کہ بتیس دانتوں میں زبان کی طرح رہی۔ جل جائے یہ زبان اگر کبھی اماں جان کے سامنے ہوں بھی کی ہو۔ جو انہوں نے فرمایا۔ سر آنکھوں پر۔ ایک دو ہی مہینے میں یہ رنگ جم گیا۔ کہ بیٹوں کی بات ٹال دیتی تھیں۔ اور میرا کہنا پتھر کی لکیر تھا۔ بیٹی خدمت سے عظمت ہے۔ اپنی جان ہلکان کی۔ قریشہ اللہ رکھے دس برس کی تھی۔ اس کو اس طرح ہاتھ میں رکھا۔ کہ اماں جان تک کو بھول گئی۔ بھابی دلہن بھائی دلہن کہتے منہ خشک ہوتا تھا ۔

بیٹی سسرال ایک عجیب جگہ ہے۔ جہاں نام کو کوئی اپنا نہیں۔ بڑے سے چھوٹے تک سب غیر۔ پھر غیر بھی کیسے۔ جو ہر وقت اور ہر لحہ اسی فکر میں رہیں۔ کہ کوئی بات ہاتھ آئے۔ اور ڈونڈی پیٹیں۔ سوچ لو کہ ایسے گھر میں کیسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ یوں سمجھو کہ زندگی کا دارومدار عمر کا انحصار ان ہی دو چار مہینوں پر ہے۔ یا بیڑا پار ہوگیا یا عمر بھر جوتی پیزار رہی۔ ایسے وقت میں لگانے بجھانے والے خوب موقعے تکتے ہیں بہو کی ساس سے اور

ساس کی بہو سے۔ ادھر کی سُنی اُدھر جڑی۔ اُدھر سے لائے ادھر پروئی۔ دونوں میں فرق ڈلوا چمپت ہوئے۔ ان کا کیا بگڑا۔ ساس بہوؤں میں جلتوائی پڑنی تھی۔ پڑگئی۔ خدا کے واسطے ملکہ ان مرداروں سے بچنا۔ اور مُنہ نہ لگانا۔ بات کا بتنگڑ یہ بنائیں۔ مکھّی کا ہاتھی میل کا بیل۔ تِل کا پہاڑ ان سے سُن لو۔ پانی کے آگے پاڑ یہ باندھیں۔ جوتیوں میں دال یہ بٹوائیں۔ اور پھر مزا یہ کہ بھلے کے بھلے اور خیر خواہ کے خیر خواہ۔ خدا نہ کرے۔ کہ کوئی بدنصیب بیٹی ان کے ڈھب پر چڑھے۔ ایسا کھُر کھوج کھوئیں۔ کہ عمر بھر بیٹھی پیٹے ٭

اپنے ہاں ہی بی نصیبا کو دیکھ لو۔ ایک کی چار اور دو کی ہزار۔ خدا سے وہ نہ ڈرے۔ دُنیا سے وہ نہ شرمائے۔ جُوتیوں کا ڈر اُسے نہیں۔ غیرت کا پاس اُسے نہیں۔ نوسو کّی بندی کے ڈنڈ پر لکھی۔ خالہ امینہ کا گھر اُس نے کھوایا۔ ماں بیٹوں میں بیر اُس نے ڈلوائے۔ چچی جان کا بڑا مکان اُس نے بکوایا۔ بڑی بھابی کو بھیک اُس نے منگوائی۔ یہ بڑھیا زہر کی پُڑیا۔ اور بس کی گانٹھ ہے۔ ساٹھ پینسٹھ برس کی عمر ہونے آئی۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے مگر اپنی عادتوں سے باز نہیں آتی۔ چاہے کیسی ہی تکلیف اور بے آرامی کیوں نہ ہو۔ اس کو پاس نہ رکھنا۔ صنوبر کے سر پر جو کبھی کبھار جن چڑھتا ہے اور ماں سے کلّہ کرتی ہے۔ یہ اسی کی بدولت ٭

سُسرال پہنچ کر تمہارا سب سے پہلا فرض میاں کو یہ یقین دلا دینا ہے کہ تم سے بہتر بیوی۔ تم سے اچھی خدمتگار۔ تم سے زیادہ خیر خواہ تم سے بڑھ کر محبت کرنے والی۔ تم سے اعلیٰ منتظم۔ تم سے بڑی سگھڑ نہیں۔ مختصر یہ کہ اب دُنیا میں اس کا جو کچھ ہے۔ وہ تم ہو۔ تم ایسی دولت ہو۔ کہ مفلسی میں وہ تم پر ناز کرے۔ تم ایسی نعمت ہو۔ کہ فاقے میں وہ تم پر شکر کرے۔ پہلی کوشش یہ کرو۔

کہ اس کے مزاج۔ اُس کی عادتوں۔ اُس کی خصلتوں سے واقف ہوجاؤ۔ اور پھر عمر بھر کوئی کام ایسا نہ کرو۔ جو اُس کی مرضی کے خلاف ہو۔ اُس کے دوست تمہارے دوست۔ اُس کے دُشمن تمہارے دُشمن۔ جانور اپنے مالک کا رُخ پہچانتے ہیں۔ مُنہ سے کہنے کی اُنہیں ضرورت نہیں۔ گھوڑے کی باگ جدھر اُٹھائی۔ اُدھر چل کھڑا ہوُا۔ مَیں یہ نہیں کہتی۔ کہ وہ تمہارا خدا ہے۔ مگر ہاں یہ کہتی ہوں۔ اور تمہارے بھلے کی کہتی ہوں۔ کہ جینے کی بہار۔ رہنے کا مزا دُنیا کا لُطف۔ دونوں کے سلوک پر ہے۔ اگر کوئی تکلیف پُہنچے۔ تو دل میں رکھو۔ شکایت تو درکنار ہونٹوں تک نہ لاؤ۔ یہ نہ ہو کہ آیا اور گیا۔ رشتہ دار۔ اور غیر سب کے آگے میاں کا دفتر کھُل رہا ہے۔ یاد رکھنا بیوی خاوند کی سب سے بڑی رازدار ہے۔ رُوح تن سے نکل جائے۔ مگر شوہر کی بات باہر نہ جائے۔ لڑکیوں میں بدگمانی ایک ایسا بُرا مرض ہے جس کا انجام موت سے بھی بدتر ہے۔ جب تک آنکھ سے نہ دیکھ لو کسی بات کا یقین نہ کرنا جتانا مگر نرمی سے۔ کہہ دینا مگر آہستگی سے۔ تمہاری زندگی کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض یہ ہوگا۔ کہ بیوی ہوجانے کے بعد میاں کو کوئی تکلیف نہ پُہنچنے پائے۔ گھر کو ایسا بنانا۔ کہ باہر سے جی گھبرائے۔ تو اندر آکر لگے۔ یہ نہ ہو کہ گھر سے گھبرائے۔ اور باہر لگے۔ لو بیٹی خدا حافظ۔ (ص)

۲۰۔ ماں کا خط بیٹی کو

فیروزہ کم بخت کیا یہ غضب ڈھا رکھا ہے۔ کہ شہر بھر میں تھڑی تھڑی کردی۔ جو ہے وہ کیڑے ڈال رہا ہے۔ دُنیا بیاہی جاتی ہے۔ تو ہی انوکھی

بھو نہیں بنی۔ مگر یہ اندھیر کہیں نہ سُنا۔ کہ ساس نند۔ دیورانی جیٹھانی۔ جو ہے نالاں۔ میاں ہے وہ الگ تقدیر کو رو رہا ہے۔ سُسرے ہیں۔ وہ جُدا نصیبوں کو پیٹ رہے ہیں۔ بیٹا کیا بیاہا مصیبت مول لے لی۔ دُور بیٹھی ہوں تو کیا؟ تِل تِل رتی رتی سُن رہی ہوں۔ اور خون کے سے گھونٹ پی رہی ہوں۔ بیٹی تو نے وہی مثل اصل کر دی۔ کہ ہنر سلیقہ میرے نہیں۔ لینا دینا تیرے نہیں۔ بیٹی جیب چلائیو۔ روٹی کھائیو۔ غضب خدا کا۔ تین ساڑھے تین مہینے کی بیاہی۔ اور نند سے وہ کلہ کیا۔ کہ غریب کو گھر چھوڑتے ہی بنی۔ زبان ہے۔ کہ الامان۔ میں بھی تو سُنوں۔ کہ کس برتے پر؟ میکے کے بھروسے پر تو پھولنا مت۔ میں تو ایسی ناشدنی کا نام بھی نہ لوں۔ ساس سُسرے آخر کب تک بھرینگے۔ میاں کہاں تک صبر کرے گا۔ مرد کی ذات ہے۔ یہ اس کی شرافت ہے۔ کہ یہ کچھ دیکھ رہا ہے۔ اور چُپ ہے۔ وہاں سے نکل کر ادھر کا رُخ تو کرنا نہیں۔ شہر کے چار کھونٹ جدھر مُنہ اُٹھے چل دینا۔ جب تم نے ہماری عزّت خاک میں ملا دی۔ اور سُسرال کو ناک چنے چبوا دئے۔ تو تمہارا وہ رستہ اور ہمارا یہ۔ کم بخت اب بھی کچھ نہیں گیا۔ گریبان میں مُنہ ڈال۔ اور انجام سوچ۔ عمر بھر روئے گی۔ اور کوئی بات بھی نہ پوچھے گا۔ مجھے تو اللہ جانتا ہے۔ ایسی نفرت ہوئی ہے۔ کہ اللہ چاہے اب خط تک بھی نہ لکھوں ؂

۲۱۔ نند کا خط بھاوج کو

بھابی جان۔ سلام علیکم۔ آج رقیہ کے ہاں جا کر ایسا دل خوش ہوا

ہے۔ کہ کہہ نہیں سکتی۔ گئی تو تھی کھڑے کھڑے۔ مگر اُس نے سر ہو کر دو دن رکھا۔ خدا اُس کی عمر دراز کرے۔ بیٹی ہی تو ایسی ہی۔ کہ سُبحان اللہ۔ خدا دُنیا جہان کو ایسی بیٹیاں دے۔ اور بہو بھی تو ماشاءاللہ اِسے سسرال کا سارا کام دھندا سنبھال ساس سُسروں کو پلنگ پر بٹھا دیا۔ پھر یہ نہیں کہ ایک ہی طرف کی ہو گئی ہو۔ جو جس کا حق۔ اور جتنا جس کا کام ہے۔ کیا مجال جو اُس میں فرق آ جائے۔ گھر کو دیکھو تو خود بخود بیٹھنے کو جی چاہتا ہے۔ جو چیز ہے قرینے سے بچھی ڈھنگ سے رکھی۔ میں دن بھر یہی سوچتی رہی۔ کہ خیر پکانا ریندھنا تو اُس نے نانی کے ہاتھوں سیکھا۔ مگر یہ گھر کی صفائی سُتھرائی کہاں سے آئی۔ کمرہ ہے تو چھوٹا سا۔ مگر ایسا کہ دیکھ کر بھوک بھاگے۔ تین دروازے تینوں پر چلمنیں۔ دو کے آگے گملے۔ بیچ کا آنے جانے کے لئے خالی گملوں کے پھول کیا بتاؤں۔ تیتریاں کھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ اندر جا کر دیکھو تو میز لگی ہوئی۔ کرسیاں بچھی ہوئیں۔ میز پر میز پوش۔ فرش پر قالین۔ گاؤ تکیہ اُس میں۔ اُگالدان اُس میں۔ کاغذ وہاں۔ قلم دوات وہاں۔ مُنہ سے کہنے کی دیر تھی۔ ہر چیز موجود +

پھر مامائیں کیسی سیدھی ہوئیں۔ کہ جو چیز جہاں سے اُٹھانی وہیں رکھنی۔ مجال ہے کہ ادھر سے اُدھر ہو جائے۔ سچی بات ہے ہماری تو آج تک یہ ہمت ہوئی نہیں۔ کہ اس جاڑے پالے اور مینہ مہاوٹ میں تین بجے رات سے اُٹھے ہوں۔ مگر وہ اللہ کی بندی ادھر تین بجے اور اُدھر وہ کمرے سے باورچی خانے میں۔ گرم پانی چاء بسکٹ انڈے مکھن دن نکلے سے پہلے سب تیار۔ میاں کے اُٹھنے سے پہلے بیچ کا کمرہ جھاڑ و بہار و دے دلا کر چندن کر دیا۔ ضرورت کی چیزیں تیل کنگھا آئینہ بُرش تولیہ پانی غسل خانے میں پہنچا۔

نماز کو کھڑی ہو گئی۔ میاں اُٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگے۔ وہ ساس کے سلام کو گئی۔ اپنے ہاتھ سے وضو کو پانی دیا۔ جانماز بچھائی۔ چاء پلائی۔ گھڑی آدھ گھڑی نند کے پاس بیٹھی۔ اور پھر باورچی خانے ✦

بھابی جان۔ خدا جہان کی لڑکیوں پر اس کا پرچھاواں ڈالے۔ محلے والے تک تعریف کرتے ہیں۔ میٹھی زبان سے بول لینا آدمی کو تابعدار بنانے کا سب سے اچھا لٹکا ہے۔ کوارپتے میں تو ایسا مزاج تھا۔ کئی دفعہ تم سے شکایت سُنی ہے۔ اصغر سے تو دم بھر کو نہ بنتی تھی۔ اوپر تلے کے بہن بھائی ہر وقت گتّھم گتّا تھی۔ مگر اب تو یہ حال ہے۔ کہ بات کرتی ہے۔ تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ خدا اُس کو خوش رکھے اور اُسے چاند سا بیٹا دے ✦

(حیدری)

۲۲ بھانجی کا خط خالہ کو

لیجئے خالہ جان مبارک ہو۔ صاحبزادی بیگم رستے پر آگئیں۔ گھر تو گیا ہی تھا۔ مگر خدا نے ہماری طرف دیکھ لیا۔ اور قیصر کو ہوش آگیا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ کہ ان بیوی سے رُخصت ہوں۔ خدا اُنہیں اپنے گھر میں رہنا بسنا نصیب کرے۔ میں تو جس طرح ہوتا اور مہینہ بیس روز نکال دیتی۔ مگر کیا کروں۔ ادھر تو حمیدہ نے آدمیوں کی ڈاک بٹھا رکھی ہے۔ ادھر احمد کو سُنتی ہوں۔ کہ گھر سر پر اُٹھا رکھا ہے۔ چلبلا تو وہ ہے ہی۔ میدان خالی پاکر بہن کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ تو

پھر دو چار دن کو آجاؤں گی *

اس بے وقوف نے تو اپنی عقلمندی سے گھر کھویا ہی تھا۔ مگر یوں کہئے۔ کہ خدا نے ہماری طرف دیکھ لیا۔ نہیں عمر بھر سر پہ ہاتھ رکھ کر روتی بات تو درکنار کوئی دو کوڑی کو نہ پوچھتا۔ بھلا خالہ جان آپ نے بھی یہ اندھیر کہیں سُنا ہے۔ کہ جہاں میاں کے آنے کا وقت ہوا۔ اور لڑکی اٹھوائی کھٹوائی لے کر پڑ رہی۔ قُدری کر ڈالو۔ سر سے کنواں کھود دو۔ مُنہ سے بولے نہ سر سے کھیلے۔ جب دیکھو ایک نئی بیماری موجود۔ آج کان میں درد ہے۔ کل گلا دُکھ رہا ہے۔ پرسوں چکر آرہے ہیں۔ بیماری کیا ہوئی دال روٹی ہو گئی۔ اور بیوی کیا آئیں۔ کہ اپنے ساتھ دردوں کی پوٹ لے آئیں۔ ٹوٹا باسن کسیرے کے سر۔ کب تک کوئی بُھگتے؟ دو چار دن تو ساس نندیں کھڑی رہیں۔ میاں بھی پریشان پھرا۔ نسخہ دوائیاں ڈاکٹر حکیم تو بیں سب ہی آئے۔ اور گئے۔ مگر بیماری کو نہ آرام ہونا تھا نہ ہوا۔ آخر میاں بھی لڑکا تھا تو اور بچہ تھا تو۔ آنکھیں تو رکھتا تھا۔ سمجھ گیا۔ کہ یہ بیوی جھوٹی مکّار ہے۔ طوطے کی طرح دیدے بدل صاف الگ ہو گیا *

گھر کیا ایک جیل خانہ تھا۔ بارہ ایک بجے آیا۔ اور پڑ رہا۔ ڈھائی تین مہینے کی دُلھن۔ سر جھاڑ مُنہ پھاڑ میلے کپڑے۔ ننگے سر۔ ادھر پڑ گئی۔ اُدھر پڑ گئی۔ گھر کے کام دھندوں سے اُسے واسطہ نہیں۔ میاں کے روٹی ٹکڑے سے اُسے غرض نہیں۔ جھاڑو بُہارو وہ نہ جانے۔ کپڑا اوڑھنا اُسے نہ آئے اس پر طرّہ یہ کہ نہ ساس کا اور نہ سُسرے کا ڈر۔ میاں کا ڈر تو بلا ہی کیا ہے ماماؤں کو کوسنے۔ ساس کی فضیحتیاں۔ سُسرے سے دو بدو۔ وہاں رفیق ہیں تو کون؟ بی شبّی۔ جن کے بغیر حلق سے نوالہ نہ اُترے۔ دوست صلاح کار

ماں بہن جوتھیں۔ وُہ۔ میاں کی مجال نہ تھی۔ کہ اُن کی جناب میں گستاخی کرے اُن کا کہنا آیت حدیث تھا۔ تم نے یہ ستم بھی سُنا۔ کہ کسی سے پوچھا نہ گچھا تین ساڑھے تین سَو کا جو تھی کا جوڑا جج کے واسطے نکال تسبّی کے حوالے کر دیا۔ بات تو چھپی رہتی ہی نہیں۔ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ ساس کو خبر لگی۔ سُسرے نے سُن لیا۔ میاں کو معلوم ہوُا۔ لڑے جھگڑے۔ روئے پیٹے۔ مگر خالہ جان اُس کے کان پر جوں نہ چلی۔ دھویا دھایا دیدہ صاف۔ جس دن آپ کا خط آیا ہے۔ میں اُسی دن شام کو آ گئی تھی۔ اور اُسی دن کا یہ ماجرا ہے۔ یقین کیجیئے گا۔ جو اس نیک بخت نے مجھ سے اتنا بھی پوچھا ہو۔ کہ بُو اکدھر آئیں وہ تو خدا بچارے بچے کا بھلا کرے۔ کہ اپنے بچے سے زیادہ خاطر کی۔ گھنٹوں بیٹھا اپنا حال سُناتا۔ کہ آپا جان ہاتھ تک کے جوڑتا ہوں۔ مگر کبھی سیدھے مُنہ بات ہی نہیں کرتیں۔ کوئی کیا کرے میری تقدیر۔ اب یہ سوچ لیا ہے۔ کہ کسی طرف کا لا مُنہ کر جاؤں۔ اور جیتے جی نہ اس کی صورت دیکھوں نہ اپنی دکھاؤں +

میں عجب چکّر میں تھی۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ جہاں میں نے میاں سے بات کی اور اُس نے شیرنی کی طرح گھوُرا۔ میاں کی حمایت لیتی ہوں تو بیوی جان کی دُشمن۔ بیوی کی ہاں میں ہاں ملاتی ہوں۔ تو کریلا اور نیم چڑھا۔ سب سے پہلے تو مَیں نے لڑکے کو شیشے میں اُتارا۔ جو کچھ بھی ہاتھ پاؤں سے ہو سکا۔ اُس کی خدمت کی۔ تین تین بجے رات تک کھانا لئے۔ آگ سُلگائے بیٹھی رہی۔ خالہ جان یہ تو خدمت سے عظمت ہے۔ اور پھر اماں جان کی وہ مثل سچ ہے۔ کہ دُشمن کی گلی کیوں گئے تھے؟ اپنا دوست گردی تھا! مجھے قیصر دُولھا کی خدمت عین راحت تھی۔ کچی لکڑی تھی۔ جدھر موڑا اُدھر

مُڑ گئی۔ سب کو چھوڑ چھاڑ میرا ہو لیا۔ سارا درد کھتا۔ اور میں سُنتی۔ وہ رستے پر آ گیا۔ تو اب بی قیصر کی طرف جُھکی۔ اس کا بس چلتا۔ تو مجھے کچا کھا جاتی۔ جان کی دُشمن اور خون کی پیاسی تھی۔ یہیں آ کر بیٹھی۔ اور اُس نے مُنہ سر لپیٹا۔ مگر خالہ جان میں کیا کچی گولیاں کھیلے تھی۔ شبّی سے میں نے صاف کہہ دیا۔ کہ چُڑیل اب اگر اس گھر میں گھُسی۔ تو اتنی جوتیاں ماروں گی۔ کہ سر پر ایک بال نہ رہے گا۔ وہ تو اتنا سُنتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔ اور لگی چلانے میری حمایت پر گھر بھر تھا۔ اور ہاتھ پیروں میں بھی اُس سے کم نہ تھی۔ میرا جُوتی لے کر اُٹھنا تھا۔ کہ نوک دم سیدھی ہو لی۔ وہ دن اور آج کا دن۔ پھر صورت نہ دکھائی۔ تم روٹھے ہم چھوٹے ❊

اُس کا پاپ کٹ چکا۔ تو اب میں نے بیگم کو ٹٹولا۔ کہ شاید ٹھیک ہو گئی ہوں۔ مگر کُتے کی دُم بارہ برس نلی میں رکھی جب نکالی ٹیڑھی۔ وہی پہلے سے بھی زیادہ شیر تھی۔ بے ادب گستاخ تو ہے ہی تھوڑا سا لحاظ یا شرم رہ گئی تھی۔ وہ بھی رُخصت ہوئی۔ کھُلم کھُلا ہنکارتی۔ اور ہانکے پکارے چیختی۔ ایک آٹھ دن میں نے بھی بات نہ کی۔ اکیلی کمرے میں پڑی سڑتی۔ اور کوئی تا بھی نہ کرتا۔ شبّی کا آنا ہوا بند۔ نازبرداری کا ہوا خاتمہ۔ چار دن میں نکلے کے سے بل نکل گئے۔ آدھی رات کے وقت ایک دن دیکھتی کیا ہوں۔ سرہانے کھڑی آپا جان چیخ رہی ہے۔ گھگی بندھی ہوئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے۔ دل دھڑک رہا۔ پوچھا کہ ہُوا کیا ہے؟ کہنے لگی کمرے میں کوئی ہے۔ ساتھ گئی لٹا یا لیٹی سمجھا یا بُجھایا۔ کچھ نیکی کے دم میں تھی۔ اور کب تک نہ ہوتی۔ ہاتھ جوڑ کر لپٹ گئی۔ اور لگی بلبلانے۔ دل تو بھرا ہی ہوا تھا میرے چمکانے کی دیر تھی۔ پاؤں پر گر پڑی ❊

میں نے اُٹھا کر گلے لگایا۔ رو دھو چکی۔ تو میں نے کہا۔ بیوی بہتو یاد رکھنا۔
دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں۔ وہ امّاں باوا جنہوں نے چاؤ سے رکھا۔ ارمانوں
سے پالا۔ جانیں قربان کیں۔ میاں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بالکل الگ
ہو گئے۔ ان کا کام یہ ہی تھا۔ کہ پڑھا لکھا لڑکا کھاتی پیتی سسرال دیکھ لی۔
اب آگے تم جانو اور تمہاری تقدیر۔ تمہارے دولہا جیسا دولہا۔ الٰہی دُنیا
جہان کی بیٹیوں کو نصیب۔ میں دعا مانگتی ہوں۔ کہ الٰہی میری مریم کو ایسا
دُولہا۔ ایسے گُن شوہر کی تم نے یہ مٹی پلید کی۔ کہ گھٹنوں میٹھا خوشامد کرے
اور تم کو خبر نہ ہو۔ جب گھر میں گھسے بیوی بیمار۔ بیماری کیا ہوئی چھپت کا مُردہ
ہو گیا۔ کہ گرد ون گردوں! آخر یہ ہی جواب ہو گا۔ کہ کم بخت کہیں گر جاپ۔ ایک
دن کی بیماری ہو تو کوئی بھگت لے۔ دو دن کی ہو تو اُٹھائے تیس دن
کی مصیبت کون اُٹھائے؟

تم سمجھتی ہو گی۔ اس سے محبّت بڑھے گی۔ میاں قدر کرے گا۔ مگر قیصر
محبّت یوں نہیں بڑھتی۔ پیاری دل میں گھر کرو۔ اور پھر گھر کی ملکہ ہو جاؤ خاک
ہو جاؤ اور پھر اکسیر بنو۔ ساس نندیں جو آج تم سے سیدھے مُنہ بات نہیں کرتیں
چند روز کی حکومت کر رہی ہیں۔ میاں کو ہاتھ میں لیا۔ اور یہ جھکیں۔ ذرا اس
کمرے کی تو حالت دیکھو۔ گتّے لوٹ رہے ہیں۔ میاں تو میاں میں کہتی ہوں۔
اس جگہ تو غیر کا بھی دل اُلٹے گا۔ اپنی صورت دیکھو ہاتھ ہیکڑا نہ پاؤں پکڑا۔
میں یہ نہیں کہتی۔ کہ رات دن بناؤ سنگار ہی کرتی رہو۔ عورت کا سب سے بڑا
بناؤ گھر کا بناتا ہے۔ مگر تمہاری طرح کا ہڑ رانوج کسی کا ہو۔ کہ آٹھ آٹھ دن
کنگھی چوٹی کی خبر نہیں۔ ایسی انجان تو نہیں ہو۔ کہ اتنا انجام بھی نہ سوچ سکو۔
تم سے چھوٹی چھوٹی بچیاں تو دو دو بچوں کی مائیں ہیں۔ جب میاں ہی کو ہاتھ

سے کھو دیا۔ تو عمر کس کے سہارے بسر ہوگی؟ میکے میں بیٹھوگی تو مُنہ میں روٹی سر پر جوتی بیٹی اپنا گھر پھر اپنا گھر ہے۔ میاں کو راضی کر لینے کے یہ ہی دن تھے جب سانپ نکل گیا۔ پھر پیٹی لکیر کو پیٹا کر۔ پہاڑ سی عمر کاٹنی پڑی ہے۔ اس کو برباد نہ کرو۔ ابھی کچھ نہیں گیا۔ ان عادتوں کو چھوڑو۔ اور اس کے دُکھ سکھ کی شریک بنو۔ وہ بیوی ہی کیا جو میاں کے تیور نہ پہچانے۔

خالہ جان خدا کی شان۔ وہی قیصر جو دن بھر کمرے میں گھُٹی پڑی رہتی تھی۔ اور میاں سے سیدھے مُنہ بات کرنا قسم تھا۔ صُبح اُٹھتے ہی پُتلی کی طرح پھرنے لگی۔ میاں کے واسطے اپنے ہاتھ سے روٹی پکائی۔ دسترخوان لاکر بچھایا۔ کھانا کھلایا۔ اُس غریب کو بیوی کا بات ہی کرنا نعمت تھا سوکھے دھانوں میں پانی پڑگیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اب دونوں میاں بیوی اپنے گھر میں راضی خوشی ہیں۔

(آپ کی تابعدار بھانجی)

۲۳- بہن کا خط بھائی کو

اچھے میرے بھائی تو جیتا رہے۔ ایک کام میرا کر دے۔ عمر بھر احسان مانوں گی۔ مجھ کو ایک جغرافیہ لادے۔ میری سمجھ میں ملکوں کا حساب نہیں آتا کہ کون کس جگہ ہے۔ بھائی ہو گا۔ تو آج ہی لادے گا۔ اور اُس کے ساتھ ہی ہندوستان کا نقشہ بھی۔ ایسی اچھی چیز کھلاؤں گی۔ کہ دل خوش ہو جائے گا۔

(شاکرہ)

۲۴- بھائی کا خط بہن کو

آپا جان آداب۔ آپ کا پرچہ پہنچا۔ نقشہ اور جغرافیہ ماما کے ہاتھ بھیجتا ہوں۔ گو میں آپ سے چھوٹا ہوں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ کسی شخص سے کسی کام کو کہنا۔ اور ساتھ ہی لالچ بھی دینا نامناسب بات ہے۔ اچھی یا بُری چیز جو جس کو اللہ دیتا ہے۔ اپنے گھر میں کھاتا ہے۔ کوئی کسی کا بھوکا نہیں۔ اگر کسی اچھی چیز کے لالچ میں میں نے آپ کا یہ کام کیا۔ تو مجھ سے بدتر بھائی کوئی دُنیا میں نہیں۔ اور اگر اس کام کا بدلہ جو میں نے محض آپ کی محبت سے کیا آپ چیز کھلا کر اُتارنا چاہیں۔ تو آپ سے بُری بہن کون ہوگی +

جغرافیہ تو میں بھیجتا ہوں۔ مگر جب تک کوئی سمجھانے والا نہ ہوگا۔ یہ مشکل سے سمجھ میں آئے گا۔ نقشے سے مطلب کیا ہے۔ جس طرح آدمی کی تصویر ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ ہندوستان کا نقشہ ہے۔ یوں سمجھو کہ کسی شخص نے روپیہ نہیں دیکھا۔ تم اُس کو بتاؤ کہ روپیہ کیا چیز ہے۔ تو اس طرح روپیہ کا نقشہ اُتار کر دکھاؤ گی۔ اور اُس سے کہو گی یہ روپیہ کا نقشہ ہے۔ اب سب سے پہلے تم یہ کہو گی۔ کہ اس میں ہے کیا کیا؟ جس طرح نقشے میں دریا پہاڑ جھیل شہر وغیرہ ہیں۔ اسی طرح روپے کے نقشے میں صرف تصویر سر مُنہ آنکھ ناک کان ہیں۔ جن کے واسطے طرفیں مقرر ہیں۔ جیسے سمت کہتے ہیں۔ اور جغرافئے میں تم حدودِ اربعہ پڑھتی ہو۔ حدود کے معنے حدیں۔ اربعہ کے معنے چار۔ یعنی چاروں حدیں۔ اوپر نیچے دائیں بائیں یہ چاروں

حدیں ہوتی ہیں۔ اور جغرافیئے میں تم کو مشرق مغرب شمال جنوب لکھی ہوئی ملیں گی۔
اُس کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ تم صبح کے وقت جدھر سے سورج نکلے اُدھر مُنہ کر
کے کھڑی ہو جاؤ۔ بس وہی مشرق ہے۔ جدھر تمہاری پیٹھ ہے۔ سورج شام
کو اُدھر جا کر ڈوبے گا۔ اس کا نام مغرب ہے جس وقت کی تم نماز پڑھتی ہو۔
اب رہا شمال جنوب۔ جب مشرق کی طرف مُنہ اور مغرب کی طرف پیٹھ ہے
تو سیدھے ہاتھ کو جنوب۔ اُلٹے کو شمال ہو گا۔ آج کل میرا امتحان ہو رہا ہے
نہیں تو خود آ کر پڑھا دیا کرتا۔ اللہ چاہے امتحان بعد سہی ٭

(احسن)

۲۵۔ بھانجی کا خط ممانی کے نام

بڑی ممانی جان آپ نے کچھ اور بھی سُنا؟ وہ بی پیرانی جی جن کی سکینہ
مُرید ہوئی تھی۔ کورے اُسترے سے سر منڈا گئیں۔ پہلے تو اُنہوں نے مجھ پر
جال پھیلایا۔ اور میں اُنہیں کچھ نہ کچھ دے بھی دیتی۔ اللہ کے نام روپیہ تو
کیا۔ جان بھی حاضر ہے۔ مگر میں نے اماں جان سے جو صلاح لی۔ کہ پیرانی
جی حج کو جا رہی ہیں۔ کہئے تو میں بھی کچھ دے کر ثواب میں شریک ہو جاؤں
تو اُنہوں نے پیرانی جی کو اور اُن کے ساتھ مجھ کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ کہ
ایسی ایسی کُٹنیاں جنہیں رزق نہ موت۔ یہاں آن مرتی ہیں۔ پیرانی جی بھیک
مانگ کر حج کرنا کس خدا نے بتایا ہے؟ میرے ہاں سے تو وہ اپنا سا مُنہ لے
لے کر سیدھی ہولیں۔ سکینہ کے ہاں خوب آؤ بھگت ہوئی۔ گنڈے جنے تعوی
بندھے۔ فلیتے جلے۔ وہ خاطر مدارات کہ گویا اللہ میاں ہی آن اُترے میاد

کا کہنا ٹل جائے۔ ساس کی بات رد ہو۔ مگر پیرانی جی کے منہ سے جو نکل گیا۔ وہ ہو کر رہے۔ بچہ بھوکا مدرسے چلا جائے۔ مگر پیرانی جی کے آگے قورمہ اور کوفتے ضرور ہوں۔ ممانی جان اُس نے تو وہ پاکھنڈ مچائے۔ کہ محلہ بھر ایمان لے آیا۔

دس بجے دن تک وہ اللہ ہی اللہ کرتی۔ بارہ بجے کوٹھری میں بند رہ کر موکلوں سے باتیں ہوتیں۔ کل دو گھنٹے ظہر کی نماز تک بات چیت کی۔ پھر وہ بھی کسی پہ مہربان ہوئی تو۔ اس کے بعد کوٹھے پر چلی جاتیں۔ اور کنڈی چڑھ جاتی۔ ہونی شدنی سکینہ کا چھوٹا بچہ بیمار پڑا۔ اور ایسا پڑا۔ کہ کھیلتا ملتا بچہ ڈھائی پونے تین برس کا۔ پورے کا پورا ہاتھوں پر آ گیا۔ پیرانی جی تو ایسے موقعے کی تاک ہی میں تھیں۔ فرماتی کیا ہیں۔ عمر تو یہ اتنی ہی لے کر آیا ہے مگر موکلوں کی زبان میں اللہ نے وہ اثر رکھا ہے۔ کہ چاہے پیغمبروں کا کہنا ٹل جائے۔ ان کی بات رد نہیں ہوتی۔ بیوی یہ تو خدمت کی عظمت ہے میرے ہی موکل کو لو۔ ستر ہزار برس ایک ٹانگ سے کھڑے ہو کر اللہ اللہ جپا ہے۔ جب آج یہ حال ہے۔ کہ ساری خدائی مٹھی میں ہے۔ دم بھر میں جو چاہیں کر دیں۔ تمہیں اپنی نانی جان کا حال تو کیا یاد ہو گا۔ کسی اُس وقت کے دیکھنے والے سے پوچھنا۔ حکیم احمد اللہ خاں جو مُردے میں جان ڈالتے تھے۔ صاف کانوں پر ہاتھ دھر گئے۔ نبضیں چھوٹ گئیں۔ گھنگرو بولنے لگا۔ پاؤں کا دم نکل گیا۔ مہندی شاہ کی درگاہ سے چلہ پڑھتی ہوئی میں بھی آن نکلی۔ تو دیکھتی کیا ہوں۔ کہ تمہاری اماں جان شہد ٹپکا رہی ہیں۔ اور خالہ کلثوم یٰسین پڑھ رہی ہیں۔ رحمت کے بلکنے پر مجھے رحم آ گیا۔ مگر کام تمام ہو چکا تھا فقط حلق میں دم تھا۔ خیر اب زیادہ کیا کہوں۔ سولہ برس اس کے بعد زندہ رہیں۔

مگر وہ دن اور آج کا دن میں نے پھر ایسے کام پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ اور موکلوں نے بھی کہہ دیا۔ کہ خیراب کے تو کر دیا ہے۔ مگر آئندہ یہ بات ہمارے بس کی نہیں۔ آج تیس برس کے بعد اپنے موکل کو پھر تکلیف دیتی ہوں۔ مگر گیارہ ہزار فرشتوں کی نیاز پہلے دینی پڑے گی۔ پھر بھی میں وعدہ تو کرتی نہیں کیونکہ آج تک تو اللہ نے جھوٹ سے بچایا۔ کل کی خبر نہیں۔ ہاں میں اپنی طرف سے کسر کرنے کی نہیں۔ تمہاری تو خیر اولاد ہے۔ روپیہ کیا جان تک کی دریغ نہ کرو گی۔ مگر میرے بھی جو دل کا حال ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے *

ممانی جان! یہ پیٹ کی آگ غضب ہے۔ مامتا کی ماری جھٹ راضی ہوگئی۔ اور بارہ سو کا زیور نکال آگے دھر دیا۔ بچہ تو کیا بچتا۔ مگر بچے کے ساتھ ہی پیرانی جی جو غائب ہوئی ہیں۔ تو دُنیا چھان ڈالی۔ آج بائیس دن ہونے آئے۔ اب تک تو کہیں پتہ چلا نہیں۔ رات دن روتی ہے۔ ادھر بچے کا صدمہ۔ اُدھر گہنے کا۔ اور پھر میاں کی فضیحتی۔ مُردوں کی صورت ہوگئی۔ اللہ بیچاری پر رحم کرے *

۲۶۔ بڑی خالہ زاد بہن کا خط

شاباش بوا اصغر! اے شاباش۔ کس باپ کی بیٹی۔ اور کس ساس کی بہو مگر ایسی ڈِھل مِل یقین۔ کہ الٰہی توبہ۔ کان گنہگار ہیں۔ خبر نہیں سچ ہے یا جھوٹ۔ مغلانی کہتی ہے۔ کہ چاند دیکھے صیف آباد چادر چڑھانے جا رہی ہو۔ وہیں بچے کے بال بڑھیں گے۔ شاہ صاحب کی دیگ چڑھے گی رات جگا ہوگا۔ بوا یہ تو اپنا اپنا عقیدہ ہے۔ الٰہی تمہارے کھیڑے بسیر

مگر ہوا ایسا شرک بھی کس کام کا۔ کہ آدمی خدا ہی کو بھول جائے۔ اور جو سامنے آئے۔ اُسے سجدہ کر لے۔ تجھ مجھ سے جو کہو۔ اور منتیں مانو۔ چادر چڑھاؤ تو اللہ ہی سے نہ کہو۔ جو سب کا مالک اور سب کا آقا۔ کیا دُنیا کے واسطے دین اور بچوں کے لئے خدا کھوتی ہو؟

تمہیں کچھ اپنے ابّا جان کا حال بھی یاد ہے؟ محلّے بھر میں کسی کی اتنی مجال نہ تھی۔ کہ شرک بدعت کا نام لے لے۔ خدا کی شان ہے۔ کہ اولیاؤں کے ہاں تم جیسی بھوت پیدا ہوئیں۔ کہ چن چن کر بدعت کرتی ہو۔ خدا کے سوا کس میں اتنی قدرت ہے۔ کہ کسی کے کام آسکے؟ پیر پیغمبر اولیاء قطب سب اُس کے محتاج ہیں۔ اسلام کو بدنام نہ کرو۔ اور مسلمانوں کی ہنسی نہ اُڑاؤ۔ یہ خوبی تو اسلام ہی میں ہے۔ کہ مسلمانوں کو خدا کے سوا کسی کا محتاج نہ رکھا۔ اور خود بانیِ اسلام صلعم نے یہ فرما دیا۔ کہ میں بھی تم جیسا ہی ایک بندہ ہوں۔ چلو طے ہو گیا۔ اب کون رہا۔ جو بندہ نہیں ہے۔ پھر اپنے ہی جیسے بندوں کے آگے سر جھکانا کس خدا نے بتایا ہے؟ خدا سے ڈرو۔ اور اُس کی خدائی برحق سمجھو اور یہ یقین کر لو۔ کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

(محمودہ)

۲۷۔ ایک سہیلی کا خط

صالحہ بہن خبر نہیں۔ وہ کون سی قبولیت کی گھڑی تھی۔ جو صبح اُٹھتے ہی تم میں دھیان جا پڑا۔ اور یہ جی چاہا۔ کہ تمہاری خیریت معلوم ہو جائے میں دل میں کہہ رہی تھی۔ کہ دیکھو صالحہ نے کیا بیہودہ پن کیا۔ کہ میاں کے

بخار کی لکھ کر پھر کروٹ ہی نہ لی۔ اتنے میں تمہارا خط آیا۔ بُوا خوش رہو۔
آباد رہو+ سر دار زبان کرتی ہے۔ تو مُردار کو نکال باہر کرو جنم پٹھ
تھوڑی لکھ دیا ہے۔ ان نامرادوں کا تو یہ ہی ہے۔ جہاں پیٹ میں پڑی۔
اور اُوچھلیں۔ وہ دن بھول گئی۔ جب جُوتیاں چٹخاتی آئی تھی۔ اب چاندی
کے دو تار کیا ہوئے۔ کہ اس کا مزاج ہی آسمان پر ہوگیا+ میاں کے
وہ پتھر مارے۔ بچّوں کی وہ بُوٹیاں نوچے۔ پڑوسیوں سے جلتوائی۔
گھر والوں سے بیر۔ عورت کیا دیوانی ہے۔ چار دن میں تکلے کے سے
بل نکل جائیں گے تم ذرا کڑی ہو+

تمہارے مزاج نے اُور بھی اس نخرے پیٹی کو ہوا بنا رکھا ہے۔ وہ
جانتی ہے تجھ کو اور نہ مجھ کو ٹھور بیوی کو ماما ملتی نہیں۔ مجھ کو نکال سکتی نہیں۔
جو کروں گی۔ وہ بھگتیں گی۔ جو کہوں گی وہ سہیں گی۔ بہت گئی کے اب ذرا
منہ نہ لگاؤ۔ دیکھنا کیسی ٹھیک ہوتی ہے۔ کہہ کیوں نہیں دیتیں۔ کہ ایسی
ہوئی جل جوگنوں کا میرے ہاں کام نہیں۔ صالحہ ماما رکھ لینی تو بہت آسان
ہے۔ مگر اس کا سدھانا آسان نہیں۔ اسی لئے تو تمہاری چچی جان کہتی ہیں۔
کہ بیوی جی کے جلانے سے ہاتھ کا جلانا اچھا۔ انہوں نے آج تک ماما ہی
نہیں رکھی۔ بہتیرا ہی چچا جان نے بھی کہا۔ مگر اُنہوں نے ہمیشہ یہی جواب
دیا۔ کہ ماما بن کمائیے۔ اور بیوی بن کھائیے +

ماماؤں کے ساتھ جہاں سختی گناہ ہے۔ وہاں نرمی بھی غلطی سے کم
نہیں۔ نہ اتنی سخت ہو۔ کہ لوہا ہی ہو جاؤ۔ کہ نرم ہونا ہی نہیں آتا۔ نہ اتنی
نرم کہ کوئی گھول کر پی جائے۔ تم تو یہ خیال کرتی ہو۔ کہ غصّہ آیا تو اب بات
کی رٹ لگ گئی۔ جھڑکیوں اور گھنڈوں آئے۔ اور گئے۔ سب کے آگے وہی قصّہ

جھویا جا رہا ہے۔ مہربان ہوئیں تو اتنی۔ کہ ساتھ کھانا تک کھلانے بیٹھ گئیں۔
ایسی ماما خاک دبے گی۔ بُوا یہ تو اب ٹھیک ہوتی نہیں۔ اس کو چھٹاؤ اور
دوسری رکھو۔ مگر خدا کے واسطے اتنا خیال رکھنا کہ نہ ایسی شیر ہو۔ کہ
ہر وقت پھاڑ کھانے کو تیار۔ نہ ایسی زہر ہو۔ کہ منت خوشامد پر اتر آؤ۔
غصّے کی جگہ غصہ۔ نرمی کی جگہ نرمی۔ یہ نہ ہو کہ باسی کوسی اُٹھایا اور ماما
کے حوالے کیا۔ جو کھاؤ وہ کھلاؤ۔ زیادہ نہ دو تو کم بھی نہ دو۔ یہ ٹھیک نہیں۔
کہ آپ کھاؤ قورمہ۔ ماما کو دو چٹنی۔ اس کی ضرورتوں کا خیال رکھو گی۔ تو
وہ تو جان چھڑکے گی۔ ہر وقت کی فضیحتی اور رات دن کی لتاڑ بھلی چنگی
ماما کا جی اُچاٹ کر دیتی ہے۔ کبھی بگڑ لیں۔ تو کبھی محبت سے چمکار بھی لیا۔
مگر اتنی کھُلا ملنا نہیں۔ کہ گھر کے معاملوں میں صلاح ہی لینے لگو۔ جب تک
آنکھ سے نہ دیکھ لو۔ کسی کے کہنے سُننے میں آکر غُصہ نہ کرنا۔ چوری کا لپکا تو بُوا
سب ہی ماماؤں میں ہوتا ہے۔ آٹے میں آٹا۔ گھی میں گھی۔ پیسے میں دھیلا
دھیلے میں ادھی۔ مگر آٹے میں نون۔ پی جانا۔ ہاں کوئی ایسی نامراد پلّے
پڑے کہ آنکھوں کا کاجل چُرائے۔ تو دھتا بتانا۔

(س)

۲۸۔ ماموں زاد بہن کا خط

فاطمہ بہن آج مریم کے خط سے پھوپی اماں کے انتقال کا معلوم ہُوا۔
کیا بتاؤں جو کیفیت ہوئی۔ کس محبت سے چلتے وقت لپٹی ہیں۔ اور بھینچ بھینچ
کر گلے لگایا ہے۔ بھلا ایسے محبت کرنے والے اب کہاں۔ کیسے صاف دل

کی بیوی تھیں کبھی کھوٹ آیا ہی نہیں۔ ادھر لڑیں ادھر ایک میں بگڑ رہی ہوں۔ وہ ہنس رہی ہیں۔ امّاں جان کے بعد ایک ذرا سا آسرا اُن کا تھا۔ وہ بھی نہ رہا۔ اب کون بڑا بوڑھا ایسا بیٹھا ہے۔ جو دل کا دُکھ سُنے گا۔ اور سمجھائیگا بات کی ایسی پُوری۔ کہ جو دو روپیہ مہینہ زبان سے کہہ دیا تھا۔ آخر وقت تک بہو کو پُہنچائے گئیں۔ مزاج کی ایسی اچھی۔ کہ اُس دن تمہارے سامنے اولیا اتنی بگڑی۔ مگر دوسرے دن پھر ہنستی ہوئی چلی آ رہی ہیں۔ مر گئیں اور وہ وضع نہ چھوڑی۔ کیسے درد سے کہتی تھیں۔ ارے کمبختو کوئی دن کی ہوا کھا رہی ہوں۔ صُبح گئی تو۔ اور شام گئی تو۔ سر پہ ہاتھ رکھ رکھ کر روؤ گی۔ اُس وقت یاد کرنا کہ پھوپی سچی تھی یا جھوٹی ✣

حال تو اُن کا میرے سامنے ہی بگڑ گیا تھا۔ ہاں ہمّت اتنی تھی۔ کہ ہم جیسے جوانوں میں نہ ہوگی۔ عزیز کی چھٹی میں خاصی اچھی طرح اپنے پاؤں سے اُتر کر آئیں۔ بچھونا بچھوایا۔ حصّے لگوائے۔ پان بتاشوں پر کیسا بگڑی ہیں۔ اور عزیز کی فضیحتی کی ہے۔ کہ بیٹی بچّہ ہو گیا تو کیا۔ ہڑونگا پن تو گیا نہیں۔ لڑکی شادی کرنے اُٹھی ہے یا نام رکھوانے؟ بُوا اللہ رکھّے ہونے جوت والی ہے۔ باوا تحصیلدار۔ میاں تھانے دار۔ نگوڑے چار پیسے کے مزدور بھی کچھ کرنے اُٹھتے ہیں تو بڑوں کا نام نہیں ڈُبواتے۔ دل نہ تھا تو کرنے کیوں اُٹھی تھیں؟ یا وہی کہاوت ہے۔ کہ گرہ میں نہیں کوڑی گٹّے والے ہوتے۔ پان بتاشوں کی حیثیت ہی نہیں تھی۔ تو چار آنے کی ریوڑیاں منگوا کر کُنبے میں بانٹ دی ہوتیں۔ منہ تو سب کے میٹھے ہو جاتے۔ یہ کیا کہ اگلی کو بھیجو ڈھکی کو نہیں۔ بیوی کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا تمہارے چار بتاشوں کا کون بھوکا بیٹھا ہے۔ کہ بی عزیز کے ہاں سے حصّہ آئے تو روزہ کھُلے۔ لینے دینے کے وقت تو سب کے حصّے ڈنکا رجاؤ۔ بڑی آپا کا

بھی۔ اس کا بھی۔ اُس کا بھی۔ اور دینے کا وقت آئے۔ تو یوں مینگ نکالو۔ لینے کی مچھلی۔ دینے کے کانٹے یہ ہی ہیں بھیجتی ہو۔ تو سیدھی طرح بھیجو۔ میں تو بڈھے چونڈھے پر کیوں ہی کلپ لگوانے لگی۔ تمہارا کیا ہے تم تو بچی ہو کر چھوٹ جاؤ گی۔ جنم میں تو کنبہ میرے تھوکے گا۔ کہ یہ حصے بانٹ رہی ہیں۔ لو یہ اپنی سینی اُٹھاؤ۔ اور تم جانو تمہارا کام۔

یہ کہہ اور سینی پٹخ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ممانی جان نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ منجھلی خالہ اماں نے بھی کہا۔ کہ ہاں بی عزیز سچ تو کہہ رہی ہیں۔ کرو تو ڈھنگ سے نہیں تو نہ کرنا اچھا۔ اپنا سمجھتی تھیں۔ جب اتنا بگڑیں۔ نہیں تو اُن کا کیا جاتا۔ بدنامی جس کی ہوتی ہو جاتی۔

ایسی ماں کو تم جتنا روؤ تھوڑا۔ اور ایسی پھوپی پر ہم جتنا غم کریں کم۔ مگر بُوا ماں باپ کا مرنا تو میراث ہے ملتی آئی ہے۔ اور ملتی رہے گی۔ آج ہم اُن کو رو رہے ہیں۔ کل دوسرے ہم کو روئیں گے۔ مرنے کے ساتھ کون مرتا ہے؟ سب روپیٹ کر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے حکم میں کسے دخل؟ روؤ دھوؤ چیخو چلاؤ۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ وہ تو اب آتی نہیں۔ ہاں ہاتھ سے پاؤں سے۔ روپے سے پیسے سے۔ جو ہو سکے۔ اُن کو ثواب پہنچاؤ۔ کہ اُن کی روح بھی خوش ہو۔ اور تمہاری کمائی نیگ لگے۔

(رضیہ)

۲۹۔ بڑی بہن کو

آپا اماں۔ حبیبہ تو آج ایسی پٹی۔ ایسی پٹی۔ کہ ہلدی تھپ گئی۔ وہ تو

خدا نے یہ خیر کی۔ کہ بانس کی موٹی سی کھپچی کے پُرزے اُڑ گئے۔ نہیں تو اماں جان یہ کہتی تھیں۔ کہ آج اس مُردار کے بکل ہی اُڑا دوں گی۔ تین چار دن سے جلی بُھنیں بیٹھی تھیں۔ آج وہ بخار نکل گیا۔ اس کم بخت کی کچھ مت ہی ایسی پلٹی ہے۔ کہ لاکھ میں نے سمجھایا۔ بگڑ کر۔ سنور کر۔ مار کر۔ چمکار کر۔ مگر کیا مجال جو اپنی آنی سے بانی ہو۔ صبح سے جو اُٹھے گی۔ تو سارے گھر کی کن سوئیاں لیتی پھرے گی۔ میری سُنی تم سے پروئی۔ تمہاری سُنی مجھ سے آجڑی۔ بہتیرا ہی کہا۔ کہ بہن یہ لگائی بجھائی کی عادت چھوڑ۔ مگر دن دونی اور رات چوگنی۔ غضب یہ کیا۔ کہ ممانی جان جو پرسے کو آئیں۔ تو اُن بیچاری نے کہا جیلبہ ذرا مجھ کو گیتی آرا کے ہاں تو پہنچا دے۔ آئی تو ہوں۔ کھڑے کھڑے اس سے بھی ملتی جاؤں + اماں جان کو کیا خبر کہ فتنی آفت ڈھا دے گی۔ سیدھے سبھاؤ کہہ دیا۔ کہ ہاں بیٹی چلی جا۔ اُس نے تو آپا اماں سارے دفتر اُن کے آگے کھول ڈالے۔ اَور تو اَور اپنے دل سے گھڑ کے یہ تک کہہ دیا۔ کہ اماں جان تو یہ کہہ رہی تھیں۔ جس دن بھاوج پرسے کو آئیں گی۔ میں میکے چلی جاؤں گی۔ مجھے تو اُن سے ایسی نفرت ہے۔ کہ صورت دیکھنے کو جی نہیں چاہتا +

نند بھاوجوں کا معاملہ۔ دل تو صاف تھے ہی نہیں۔ بی جیلبہ کی باتیں پتھر کی لکیر ہوگئیں۔ اب جو پلٹ کر آئیں۔ تو ممانی جان کے تیور ہی اَور۔ اماں جان بیچاری نے تو باپ کو بخار میں روتا چھوڑا اپنے ہاتھ سے میٹھے چاول پراٹھے کھیر پکائی۔ ممانی جان ہیں۔ کہ دسترخوان پر تو بیٹھی ہیں۔ مگر ٹکڑا نہیں توڑتیں۔ اور ڈولی ڈولی کہے جا رہی ہیں۔ وہ تو گولر کا پیٹ پھوٹنا تھا۔ جب اماں جان بہت سر ہوئیں۔ تو ممانی جان نے صاف صاف کہہ

ڈالا۔ کہ بہن مَیں نے ایسی کیا خطا کی۔ ایسا مجھ سے کیا باپ مارے کا بَیر ہے۔ کہ تم میری صورت سے جلو۔ ہیں تمہارے لینے میں نہیں۔ دینے میں نہیں۔ آس نہیں۔ پاس نہیں۔ تم کہیں مَیں کہیں۔ مہینوں ہو جائیں۔ آ کر جھانکوں تک نہیں۔ اسی لئے کہ نہ جاؤں گی نہ تھپے گی۔ اللہ رکھے انور اتنا اتنا ماندہ پڑا۔ دھوبن سے سقّے سے۔ اس سے اُس سے پوچھ لیتی۔ اور دل مار کر بیٹھ جاتی۔ آج بے عزّت بن کر آئی۔ تو اُس کا یہ پھل ملا۔ کہ تم میکے جانے کو تیّار ہو۔ آپا مَیں کوئی عمر بھر رہنے تھوڑی آئی ہوں۔ جو میرا آنا تمہیں دوبھر ہو گیا۔ اب کھائی تو کھائی اب کھاؤں تو رام دہائی۔ اب تو قصور ہو گیا۔ آگے کو کان ہوئے ✤

امّا جان غریب کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ کہ کیسا میکا اور کس کی سسرال۔ مٹر مٹر بیٹھی بھاوج کا مُنہ تکتی رہیں۔ اب بی حبیبہ کی سُنو۔ یا تو مزے سے بیٹھی میٹھے چاولوں کے بڑے بڑے نوالے مار رہی تھی۔ یا ممانی جان کا حال کہنا تھا۔ کہ اس کو تو سانپ سُونگھ گیا۔ دسترخوان سے اُٹھ۔ ہاتھ پونچھ۔ کونے میں دبک۔ لگی پھُوٹ پھوٹ کر رونے۔ ممانی جان کہہ چکیں۔ تو امّاں نے کہا۔ بُوا الٰہی جل جائے یہ زبان جو مَیں نے تمہارے آنے کو ہونسا ٹوکا ہو۔ تم کس مُردار کی باتوں میں آگئیں۔ یہ تو گھُس ہیں چنگی ڈال تماشا دیکھنے والی لڑکی ہے۔ جیسی یہ میری جان کی دُشمن ہوئی ہے۔ خدا نہ کرے۔ کہ کوئی بیٹی ہو۔ مسلمان ہو تو یقین کرنا۔ بھائی وہ بات مغز سے اُتارے گی۔ کہ دھری جائے۔ نہ اُٹھائی جائے۔ لڑکی کیا ہے۔ آفت کی پڑیا ہے۔ آج چوتھا دن ہے۔ تمہارے نندوئی جانے کو کھڑے تھے یہ بیَن چولھے کے پاس بیٹھی تھی۔ اُنہوں نے پان مانگا۔ بڑی اپنا سر دھو رہی

تھی۔ میری جو شامت آئی۔ تو میرے مُنہ سے نکل گیا۔ کہ جیبہ تو بنا دے۔ یہ موٹے موٹے ڈلے چھالیہ کے کتر پان میں ڈال دے آئی۔ اُنہوں نے بُرا بھلا کہا۔ تو کہتی کیا ہے۔ اماّجان نے بنایا ہے +

لو بُوا وہ تو میرے سر ہو گئے۔ اور چلتے چلاتے ایک دو ہزار فضیحتیاں کر ڈالیں۔ تم بھی ماشاء اللہ آج کی نئی دُلھن تو نہیں چھبیس برس کی بیاہی اس سسرال کو برت رہی ہو۔ کب میں نے تم کو بُلایا۔ اور تم آئیں۔ جو مجھے تم سے نفرت ہو جائے گی۔ تقدیر کی بدنامی تو امٹ ہے۔ مگر سوچو تو سہی۔ کہ میری تمہاری تو کبھی جھوٹے موٹ بھی نہیں ہوئی۔ جو میں تم سے جلنے لگتی۔ خدا کی دین ہے۔ میرے پیٹ ہی کو یہ آگ لگی۔ کہ لڑکی خون کی پیاسی ہے۔ یہ اُسی تمہاری سَوچوٹوں کی چوٹی گلشن کے دُودھ کا اثر ہے۔ جس کے کلیجے میں ہر وقت گھُسی رہتی ہے۔ بھابی کیا کروں۔ گائے کو سینگ دو بھر نہیں ہوتے۔ جب تک میرے گھر پر بیٹھی ہے۔ بھروں گی۔ مگر یقین جاننا دل ایسا پھٹا ہے۔ کہ اس کی تو کوئی پیسے پر رکھ کر بوٹیاں اُڑا دے تو آہ نہ کروں +

نند بھاوجوں کی تو خیر صفائی ہو گئی۔ مگر مامی جان کا شام کو جانا تھا کہ پھر جو اماّں جان نے جیبہ کو سُوتنا ہے۔ تو بدھیاں پڑ گئیں۔ اب تک پڑی ٹسر ٹسر کر رہی ہے۔ مگر چاہو کہ یہ اپنی عادت چھوڑ دے۔ سو جیبہ بندی سے یہ ہونا نہیں۔ چور چوری سے جائے گا۔ ہیرا پھیری سے تھوڑی جائے گا +

(میمونہ)

۳۰- امّاں کی بیٹی کو خط

کیوں ری چھوٹی لپاٹن۔ یہ دن دہاڑے آنکھوں میں خاک جھونکنی اور جوتیوں سمیت گھُسنا۔ کجا لنگوٹی حیدری اور کجا تیرا بچّہ۔ وہ تو ہزاروں قسمیں کھا رہی ہے۔ کہ خالہ جان آنکھیں پھوٹیں۔ جو میں نے کل مجّی کے لڑکے کو دیکھا بھی ہو۔ دن بھر تو وہ اُستانی کے ہاں مری رہے۔ عصر کے وقت چھٹی ہوئی۔ چار گھڑی دن رہ گیا۔ اب اس چار گھڑی میں چھوٹتے ہی حق حق کرتی گھر پہنچتی ہے۔ صُبح کا بچا یا روٹی ٹکڑا جو ماں سینت سانت کر رکھتی ہے۔ وہ کھایا پیا۔ اور تختی لے کر بیٹھی۔ چراغ جلے تک لکھتی رہی۔ پھر اُسے کون سا ایسا وقت مل گیا۔ کہ چپکے سے نکل دور چار گھر بیچ بھی نہیں۔ چھ پیسے ڈولی پہنچ تیرے بچّے کو نوچ کھسوٹ اس کا سپارہ چھین لے آئی۔ خُدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا۔ تیرا بچّہ وہ یاروفی کہ چلتے بھلے مانس کی ٹوپی اُچھال دے۔ اس بیچاری سے ضرور پِٹے گا اور چپ چپاتے سیپارے دے دیگا۔ لڑکی وہ بات کہ جو سُنتے ہی یقین کر لیں۔ تُو تو مشہور لپاٹن ہے۔ بے جھوٹ روٹی ہی ہضم نہیں ہوتی۔ گلی اور گلی بھی تیری ہی جہاں لڑائی ہوئی ہے۔ اور تیرا بچّہ بھی تو بے زبان۔ کہ سیپارہ حوالے کر ماں کے گھٹنے آلگتا۔ ایک تُو مسکین کہ زبان سے اُف نہ کرتی۔ مجّی تُو تو وہ بشر ہے۔ کہ گلی میں کیا اگر سڑک پر بھی کوئی تیرے بچّے کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتا۔ تو پیٹ پکڑے وہیں پہنچتی۔ اور بھلے مرد کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال کر دیتی ✣

کم بخت خدا سے ڈر۔ اور بن ماں باپ کے بچے پر اتنا بڑا طوفان نہ بے مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ تو انا کی بیٹی۔ وہ ماما کا بچہ۔ بلکہ تیرا حق زیادہ۔ کہ تیری ماں نے مجھے کھلایا پلایا بڑا کیا۔ مگر تیرے جھوٹ کو تو دُنیا جانتی ہے۔ جو تیری حمایت لے وہ بھی جھوٹا۔ اسی لئے کوئی تیرے آنے کا روادار نہیں۔ نہیں تو کیوں اس طرح بارہ پتھر باہر پر محلے پڑی سڑتی۔ اس جھوٹ ہی نے تیرا گھر کھوج کیا۔ اور یہ جھوٹ ہی تجھ کو محلے ہیں کیا دُنیا بھر میں ذلیل کرے گا۔

(افروز)

۳۱۔ بھائی کا خط بہن کو

اصغری بہن اسی دن کے لئے میں تم سے کہتا تھا۔ کہ جو چیز جہاں سے اُٹھاؤ وہاں رکھو۔ اور یہ حکم ایسا گھر بھر میں جاری کرو۔ کہ دو برس کے بچے سے لے کر سو برس کے بڈھے تک اس میں فرق نہ کرے۔ اماں جان کے خط سے تمہارے گرنے کا حال معلوم ہو کر بہت رنج ہوا۔ مگر یہ سُن کر خوشی ہوئی۔ کہ چوٹ زیادہ نہیں لگی۔ اوّل تو یہ ہی بڑی غلطی تھی۔ کہ برسات کا موسم۔ کیڑے پتنگے کے دن۔ لیمپ بجھانے کی ضرورت ہی کیا۔ اور خیر اگر ایسا ہی صرفے کا خیال ہے۔ تو لیمپ دیا سلائی پاس رکھتیں۔ کہ وقت بے وقت حیرانی نہ ہو۔ یہ بھی نہ سہی۔ تو دیا سلائی کا بکس جہاں سے اُٹھایا تھا وہیں رکھا ہوتا۔ اور ایک جگہ اُس کے لئے مقرر ہوتی۔ تو یہ نوبت کیوں آتی؟ وہ گھر اور گھر والے دونو پھوہڑ۔ جہاں اتنا انتظام نہ ہو۔ کہ ہر

چیز کے لئے ایک جگہ۔ اور ہر کام کے لئے ایک وقت ÷

اصغری آفریں ہے تمہاری اس ہمت اور لاپروائی پر۔ کہ ساون کا مینہ۔ ابر گھرا گھرا۔ اور چھت پر جو گھوڑے بیچ کر سوئیں۔ تو بجلی بھی چمکی۔ بادل بھی گرجا۔ مگر تم نے کروٹ نہ لی۔ جو یہ دھونتال پانی نہ پڑتا۔ تو نہ تم اُٹھتیں نہ گرتیں۔ کاش اُٹھتے ہی سب سے پہلے روشنی کرتیں۔ اور پھر کچھ اُور۔ تو یہ دُکھ کیوں بھگتیں؟ پھر بھی خدا کا شکر کرو۔ اُس نے بڑا فضل کیا۔ کہ چھت ہی پر پاؤں رپٹا۔ خدانخواستہ زینے دینے میں پھسلتیں۔ تو ایک آدھ ہڈی ہی چلکنا چور ہو جاتی۔ اب آگے کو یہ اصول یاد رکھنا:—

"ہر چیز کے لئے ایک جگہ۔ اور ہر کام کے لئے ایک وقت"

(افضل)

۳۲- بیٹی کو

جمیلہ بیگم میں اُس وقت تو خیر خون کا سا گھونٹ پی کر چپکی ہو گئی۔ مگر رات بھر انگاروں پر لوٹی ہوں۔ بیٹی اتنا تیہا اور ایسا غصہ ماں سے بڑی خالہ۔ جو رات بھر تم کو کندھے سے لگائے ٹہلیں۔ بچے سے بچے والی کیا ان کا یہ وقر کہ تم نے بھر منہ میرے سامنے کہہ دیا۔ کہ "جھوٹی ہو"۔ ماں اور خالہ میں فرق کیا؟ جیسا اُن کو کہا ویسا مجھ کو۔ تمہاری تو زبان کا ٹانکا ٹوٹ گیا بڑے کی بڑائی چھوٹے کی چھٹائی۔ سب غارت کر دی۔ جو ہے وہ پاؤں کی جوتی۔ بیٹی اس مزاج کو تہ کر رکھو۔ کسے اپنی عزت گنوانی ہے۔ جو تمہارے منہ لگے گا۔ اکیلی بیٹھی مکھیاں مارنا۔ کوئی آکر تا بھی نہیں کرنے کا۔

ایک کھنڈ لا کیا بنا لیا ہے۔ کہ آپے ہی سے باہر ہوگئیں۔ دو روٹیاں پیٹ میں ایسی ڈال لیتی ہو۔ کہ دُنیا بھر کو دلے مارتی ہو۔ لوگوں کی تو ہزاروں لاکھوں کی املاک کھڑی ہے۔ تم ایک دو ہزار روپلی میں پھوٹ نکلیں۔ بڑوں کی مثل سچ ہے۔ کہ سیر کی ہنڈیا میں سوا سیر پڑا۔ اور اُبلی۔ جنم نہ دیکھا بوریا۔ سپنے آئی کھاٹ۔ نیت شیر اور دل سیر ہوتا۔ تو ایسی فرنٹ نہ ہوتیں۔ میری طرف سے تو خاطر جمع رکھو۔ انشاء اللہ مر جاؤں۔ اور تمہارے گھر کا رخ نہ کروں۔ ایسی ہی ماما اُچھلے گی۔ تو تمہیں کو بلوا کر دیکھ لیا کروں گی۔ مگر اتنا یاد رکھنا۔ اور ہماری آج کی بات لکھ لینا۔ کہ بے ادب بے نصیب۔ ایک مکان نہیں بیس مکان ہو جائیں۔ بڑوں کی آہ اوپر ہی اوپر نہیں جاتی۔ سر پر ہاتھ رکھ کر روؤگی۔ اور یاد کروگی ❖

۳۲۔ بھتیجی کا خط چچا کو

چچا صاحب قبلہ۔ آداب قبول فرمائیے۔ جب سے سُنا ہے کہ جناب کے دُشمنوں کی طبیعت کچھ ماندی ہے۔ اُس وقت سے دل میں ہزاروں وہم چلے آ رہے ہیں۔ خدا آپ کا سایہ ہم لونڈی غلاموں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اپنے ہاتھ سے ایک دو حرف خیریت کے لکھ کر لونڈی کو بھیج دیجئے۔ کہ اطمینان ہو جائے۔ چچا جان۔ ہمارے تو والد چچا دادا نانا جو کچھ ہیں۔ سو آپ اور آپ ہی کا صدقہ ہے۔ کہ ہم عزت و حرمت سے گھر بیٹھے ہیں۔ اور دونوں وقت پکی پکائی کھا رہے ہیں۔ اماں جان آپ کی بیماری سے دھاروں رو رہی ہیں۔ اور جانماز پر بیٹھی دعائیں مانگ رہی ہیں۔ میں بھی اب وضو کر کے نماز پڑھتی ہوں۔ دو کوڑیاں

اور دو پیسے اور پچیس نفل آپ کی تندرستی کے مانے ہیں۔ خدا وہ وقت لائے کہ میرے چچا جان کے ہاتھ کا خیر سلا کا خط ڈاکیہ آکر دے۔ آمین +

(آپ کی لونڈی رابعہ)

۴۳ چچا کا جواب

پیاری بیٹی۔ عمر دراز۔ ابھی خط پہنچا۔ اور ابھی جواب لکھتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے۔ اب میں اچھا ہوں۔ معمولی بخار تھا۔ اُتر گیا۔ کچھ تشویش کی بات نہیں۔ میں نے تو تمہاری چچی جان کو منع کیا تھا۔ کہ کیوں اطلاع دیتی ہو سب پریشان ہو جائیں گے۔ وہی ہوا کہ تم سب بیٹھے بٹھائے فکر میں پڑ گئے۔ اپنی اماں جان سے بھی کہہ دو۔ کہ میں بالکل تندرست ہوں۔ فکر نہ کریں۔ میں تم کو خود ایک مفصّل خط لکھنے والا تھا۔ اور اگر بیمار نہ ہوتا۔ تو کبھی کا لکھ چکا ہوتا۔ آج تمہارے جواب میں وہ غرض بھی پوری کرتا ہوں +

تم نے اپنے خط میں میرا شکریہ ادا کیا ہے۔ مگر میرا ہی دل جانتا ہے۔ کہ میں اس شکریے سے کس قدر شرمندہ ہوا۔ مجھے یہ رنج ہے اور یہ رنج اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں گا۔ کہ مرحوم اصغر کے بعد اُس کے بیوی بچّوں کی خدمت میں اپنی مرضی کے موافق نہ کر سکا میں تمہاری والدہ محترمہ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا میرا مُنہ نہیں کہ اُن کی تعریف کروں۔ اُنہوں نے میرے مرے ہوئے بھائی کی عزّت کو سنبھالا۔ باپ دادا کی لاج رکھی۔ اور تم چاروں کو پال پوس کر قابل بنا دیا۔ مرے ہوئے اصغر مرحوم کی نشانی پیاری رابعہ میں یہ سُن کر بہت خوش ہوں۔ اور میرے دل سے دعا نکلتی ہے۔ کہ تم نے تمام

کنبے میں اپنی سعادتمندی اور سلیقے کی دھاک بٹھا رکھی ہے۔ تمہاری چچی کہا کرتی ہیں۔ کہ خدا بیٹی دے۔ تو رابعہ جیسی۔ جس کی دسوں اُنگلیاں دسوں چراغ۔ جس کے مُنہ سے بات کرنے سے پھُول جھڑتے ہیں۔ خدا تمہاری عمر میں برکت دے۔ آج تمہاری چچی تعریف کرتی ہیں۔ کل خدا کرے کُنبہ بھر تمہارے گیت گائے۔ میں نے کل تمہارے لئے ایک کتاب خریدی ہے۔ آٹھویں صفحے پر جہاں میں نے نشان کر دیا ہے۔ اس کو پڑھو ہنستے ہنستے تمہارے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے ۔

فخرالنسا بدنصیب

یہ تقدیر پھوٹی جب اپنے کوتکوں سے سارے گھر کو آگ لگا چکی۔ روپوں ہنڈوں کے برتن کوڑیوں کے مول اور مصالحے سے لپے جوڑے دھڑی دھڑی کر کے بکے۔ تو جن کا بیگم بیگم کہتے مُنہ سوکھتا تھا۔ وہ بھی کترا گئیں۔ اب اکیلا ڈھنڈھار گھر تھا۔ اور نصیبوں پیٹی فخرا۔ جس ڈیوڑھی پر دو دو تین تین نوکر ہوں پر حاضر تھے۔ وہاں اب کتے لوٹنے لگے۔ یا وہ گہما گہمی کہ کان پڑی آواز نہ سُنائی دے۔ بارہ بجے رات تک کچہریاں سی لگ رہی ہیں۔ یا یہ حال ہوا۔ کہ ایک سنّاٹا چھایا ہوا ہے۔ پانی کے مٹکے پر مٹی کا ٹوٹا ہوا آبخورہ۔ اور چولھے کے اوپے پر زنگ میں گڑھی۔ رنگ سے بھری ہٹن کی رکابی رہ گئی۔ تو ایک دن دوپہر کے وقت گٹھری دیکھنے کوٹھری میں گئی۔ جن ریشمی لحاف توشکوں کی تہ تک نہ کھلی تھی۔ اُن میں چوہوں نے بغارے ڈال دئے تھے۔ جوڑوں کو کھول کر دیکھا بہت

سے تیر ہو چکے تھے۔ جو موجود تھے۔ وہ یوں ٹنکے کے ٹنکے اور بندھے کے بندھے مگر کیڑے نے نون باندھنے کو جگہ نہ چھوڑی۔ جس صندوقچی میں چمپاکلی تھی وہ کبھی کی تلپٹ ہو چکی تھی۔ بہتیرا ڈھونڈھا۔ مگر صندوقچی تھی۔ سوئی نہ تھی۔ کہ چھُپ جاتی۔ رو دھو صبر شکر کر بیٹھ گئی ❊

کہتے ہیں آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے۔ مگر فخرا چار پانچ ہزار روپیہ کھو کر بھی کچھ نہ سیکھی۔ تیس چالیس روپیہ مہینے کا کرایہ دو ڈھائی ہزار کا زیور آگے ناتھ نہ پیچھے پگا۔ بال نہ بچہ اکیلا دم چالیس روپے سر آتے۔ اور پاؤں جاتے ڈھنگ سے چلتی۔ تو بیگموں کی بیگم تھی۔ مگر بے ڈھنگے پن نے بھیک کا پیالہ ہاتھ میں دے دیا۔ سگے چچا جو پانچ برس سے حج کو گئے ہوئے تھے بیت اللہ سے لوٹے۔ تو کنبے بھر میں دھوم مچ گئی۔ خاصی چھوٹی سی شادی رچی۔ چچی بے وقوف نے رحم کھا کر یا میاں سے ڈر کر فخرا کو بھی بلا بھیجا۔ بے غیرت ایسی کہ اسی ہڈرے سے سر پر چیتھڑا۔ پاؤں سے لیتڑا چلنے کے جاڑے میں لیریاں دوپٹہ سر پر ڈال سوں سوں کرتی بھرے مہمانوں میں جا اُتری۔ بڑے دالان میں جہاں چوٹی کی امیرزادیاں اور تمام رئیس زادیاں تھیں۔ گاؤ تکیہ گھسیٹ بیچوں بیچ جا بیٹھی۔ اور لگی چلّانے۔ چچا جان کہاں ہیں۔ چچا جان کہاں ہیں ❊

پہلے تو سب نے گھور گھور کر اُس کا مُنہ دیکھا۔ پھر ایک کیا کہتی ہے ارے دیوانی گھس آئی۔ اس کا اتنا کہنا تھا۔ کہ عورتوں نے تماشا بنا لیا۔ دوسری بولی۔ ارے گھروالی کو بلاؤ۔ اس سڑبلی کو نکالیں۔ تیسری کہتی ہے۔ خدا کے لئے بچوں کو چھپاؤ۔ یہ تو چھل پائی ہے۔ دیکھو انگلیاں مُڑی ہوئی ہیں۔ اب جو بیویوں نے بھاگنا شروع کیا ہے۔ تو گدبدا ایک کے اوپر

ـ کسی کی گود میں بچہ۔ کسی کے ہاتھ میں پاہنچے۔ جل تو جلال تو۔ پڑھتی
ہر آئیں۔ ایک بڑی بوڑھی بولیں۔ لڑکی ہا بیوہ۔ عقل جاتی رہی ہے۔ دن
ہاڑے پچھل پائی کیسی۔ پوچھو تو سہی نیک بخت تو کہاں سے آئی ہے۔
ب بھاگتی نے کہا۔ نوج خالہ بولنا نہیں کلیجہ کھا جائے گی۔ یہ موری والیاں
اسی طاق میں رہتی ہیں۔ جہاں دس میں بچے دیکھے۔ اور نکلیں۔ خدا خیر
سے گھر پہنچائے۔ اری دوا خدا کے لئے ڈولی منگوا +

عورتوں میں کھلبلاہٹ کی مردانے میں خبر پہنچی۔ حاجی جی بھی اللہ ہی
کے جی تھے۔ موٹی سی ہانڈی لے کر اندر گھس آئے "کہاں ہے کہاں ہے"
دیکھتے ہیں تو بی فخرا رو رہی ہیں۔ اور کہہ رہی ہیں۔ موئی نامرادیں چڑیلیں
مجھ کو پچھل پائی بتا رہی ہیں۔ ہوں گی آپ ہی۔ اندھی تھوڑی ہیں۔ فخرا کو
نہیں پہچانتیں؟ رات کا وقت ہوتا تو شاید بدنصیب فخرا کے ایک آدھ
ہانڈی پڑ جاتی۔ اور مغز پھوٹ جاتا۔ مگر دن کا وقت تھا۔ حاجی جی دیکھ کر
دم بخود رہ گئے۔ بیوی کو بلایا۔ تو وہ ڈرتی ڈرتی قل ہو اللہ پڑھتی پھونک
پھونک کر قدم دھرتی آگے بڑھیں +

حاجی جی۔ ذرا پھوٹی آنکھوں سے دیکھو تو سہی۔ یہ پچھل پائی ہے؟
بیوی۔ ذرا میرے کلیجے پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھو۔ میں آگے کیوں کر بڑھوں
کون ہے نکال باہر کرو +

حاجی جی۔ آگے تو آؤ۔ کھا ہی جائے گی ۃ۔ کچھ اور تو نہیں کرے گی؟
بیوی۔ نوج دور پار اچھی اس کو نکال باہر کیوں نہیں کر دیتے؟
حاجی جی۔ یہ تو فخرا بدنصیب ہے +
(بیوی آگے بڑھ کر) اے ہے۔ مجھے کیا خبر؟ بیٹی منہ سے کہتی نہیں۔ کہ میں

ہوں۔ حاجی جی تو بیوی پر بگڑ بگڑا باہر چلے گئے۔ مگر پھر جو بیویوں نے فخرا ؔ بدنصیب کی ہنسی اُڑائی ہے۔ تو وہ شرمندہ صورت زمین میں گڑی جاتی تھی +

لڑکیو! تم نے فخرا ؔ کی واردات تو سُن لی۔ اب اس کا حال بھی سُن لو۔ یہ ایک بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ چار پانچ ہزار کی جائداد حصے میں آئی۔ مگر بے ڈھنگے پن سے سب برباد کر دی۔ روپیے کو روپیہ نہ سمجھا۔ اور چند روز میں بھیک مانگنے کی نوبت آگئی۔ شادی ہو چکی تھی۔ مگر بے وقوفی اور پھوہڑ پنے سے میاں کا ایسا ناک میں دم کیا۔ کہ اُس کو چھوڑتے ہی بنی۔ میاں سے الگ ہوئی تو خوشامد خوروں نے باڑ پر رکھ لیا۔ اور ایک چھ ہی مہینے میں سب کچھ کھوا۔ ادھی ادھی کو محتاج کر دیا۔ زبان کی وجہ سے رشتے داروں نے بھی ملنا چھوڑ دیا۔ اور جس لڑکی کے ساتھ پندرہ بیس آدمیوں کا کنبہ تھا۔ وہ اپنے کُنوں سے اس لائق ہو گئی۔ کہ سگے چچا کے گھر میں گئی۔ تو پچھلی پائی بنی +

۳۵۔ ایک سہیلی کو

بُوا احمد زمانی میں تو تمہاری ان خانم صاحب سے باز آئی کس کے سر پر اتنے بال ہیں۔ کہ تنخواہ کی تنخواہ روٹی کی روٹی۔ اور نت نیا نقصان آئی تو اکیلی تھیں۔ اور رہی بھی یہی کہہ کر تھیں۔ کہ دسترخوان پر بیٹھ جتنی پیٹ میں آئے گی۔ کھا پی ہاتھ جھاڑ اُٹھ کھڑی ہونگی۔ ان حسابوں چار روپے مہینہ ایسا بہت نہ تھا۔ مجھ شامت ماری نے ہاں کر لی تیسرے دن دیکھتی کیا ہوں۔ خاصا اچھا آٹھ نو برس کا لونڈا ساتھ بیٹھا ہے۔ ایک

دو وقت تو میں بھی آئی کاٹی دے گئی۔ مگر وہ تو ہل ہی گئی۔ لڑکا ایسا بڑھ پیٹا۔
کہ ڈیڑھ پا آٹے کی روٹی ٹکڑا نہ چھوڑتا۔ پوچھا خانم صاحب یہ کون ہے؟
کہنے لگیں بیگم صاحب نواسا محبّت کا مارا دو کوس سے آتا ہے ساتھ
بٹھا لیتی ہوں۔ دو چار نوالے میرے کھانے سے کھا لیتا ہے ✤
بوا احمد زمانی پندرہ دن بھی نہ ہوئے ہونگے۔ کہ وہ تو دس روٹیاں
ساتھ لے جانے لگی۔ تین پا آٹے کی روٹی تو بیٹی کو جاتی۔ آدھ سیر نانی
نواسے کھاتے۔ تمہارا خدا بھلا کرے۔ سوا سیر صُبح۔ سوا سیر شام۔ ڈھائی سیر آٹا۔
بیوی کوئی بادشاہی تخت پر تو میں بیٹھی ہی نہیں تھی۔ کہ لُٹائے جاتی۔ اور اُف
نہ کرتی۔ میرا دیدے بدلنا تھا۔ کہ وہ تو جان کو آگئیں۔ اور لگیں نخرے
بگھارنے۔ کہ بیوی میں تو اپنے مزاج سے یہاں پڑی ہوں نہیں
تو نواب قدرت اللہ خاں کی بہو کے پاس چلی جاؤں۔ تو آنکھیں بچھائیں
گھر بھر کی مختار تھی۔ کس کی مجال تھی۔ کہ میرے سامنے بول لے؟ تیرہ
برس رہی۔ اور اس نیک بخت نے الف سے بے نہیں کی بسیاہ کروں
چاہے سفید۔ ایک اتنی سی بات پر کہ ایک دن سالن نہیں بچا تھا۔ مجھے
وال دے دی۔ میں نے بارہ اور بارہ چوبیس کوس کا رستہ کر دیا۔ برقع
سر پر ڈال جو اُٹھی ہوں۔ تو پاؤں جلیں۔ جو اُدھر چلی بھی ہوں۔ بیگم نے
آدمیوں کی ڈاک بٹھا دی۔ حد یہ ہے۔ کہ خود نواب صاحب تک
آئے۔ مگر میں نے ہی ہاں نہ کی ✤

احمد زمانی تمہاری خانم صاحب تو سانپ کی چھچھوندر ہو گئیں۔
اُگلے چین نہ نگلے چین۔ اُس نے تو نصیبن کے بھی کان کترے پچاس
دفعہ کہہ چکی ہوں۔ کہ نیک بخت ٹھنڈا ٹھنڈا رستہ لے۔ مگر وہ ہے۔ کہ کسی طرح

پنڈ نہیں چھوڑتی۔ پرایا سر دیوار کی جگہ۔ برتن ٹوٹیں تو۔ اور گلاس چھوٹیں تو۔
اُس کے صدقے سے۔ ہزار دفعہ سمجھایا۔ کہ خانم صاحب گیلی چمنی لمپ پر
رکھ کر نہ جلایا کرو۔ مگر کچھ ایسی ضدّن ہے۔ کہ جب ہو گی دُھلی ہوئی چمنی رکھ کر
جلا دے گی۔ سات چمنیاں اسی مہینے میں توڑ چکی ہے۔ اتنی عقل نہیں۔ کہ
پہلے روشنی ہلکی کی۔ جب چمنی گرم ہو گئی۔ تیز کر دی۔ چھوٹتے ہی بتی اونچی
کر دے گی۔ چینی کے برتنوں کے لئے میں نے کہا۔ اماں جان نے سمجھایا۔
کہ خانم صاحب جہاں کھانے سے فرصت ہوئی۔ تو سب سے پہلے چینی کے
برتن دھو دُھلا پونچھ پانچھ رکھ دیئے۔ مگر بوا کیا مجال جو اثر ہو۔ کل ہی کا ذکر
ہے۔ تمہارے دولھا بھائی کی لائی ہوئی قاب کی جوڑی ایسی ٹوٹی ہے
کہ دل ہی جانتا ہے۔ بیوی بنّو میں تو ان سے باز آئی۔ ان کو بلاؤ۔ اور
مجھ پر کرم کرو۔ زندہ ہوں۔ تو اب تم سے ماما کو نہ کہوں گی۔ آگے کو
کان ہوئے ٭

(سکندر)

۳۶۔ شاگرد کے نام

حمیدہ بیگم۔ سلام۔ تمہارا خط پہنچا۔ مجھے تمہاری خدمت سے عذر
نہیں۔ مگر اتنا تو سوچو۔ میں کہیں۔ تم کہیں۔ ایک جگہ کا رہنا سہنا ہوتا تو
جو دو چار حرف بڑوں سے سیکھے ہیں۔ سر آنکھوں سے بتاتی۔ نہ مجھے
اتنا موقع کہ برس چھ مہینے اپنا گھر چھوڑ تمہارے ہاں آ پڑوں۔ نہ تم سے یہ
ہو سکے گا۔ کہ شہر پر چلی آؤ۔ پھر یہ شاگردی کی بیل منڈھے چڑھے گی۔

کیونکر؟ رہا خط پتّر سو اس کے لئے حاضر ہوں۔ تم جانتی ہو۔ کہ امّاں باوا
کے ہاں تم کو وہ سب کچھ سیکھ لینا ہے۔ جو سسرال جاکر کرنا ہے۔ آٹھ
دس برس کا موقع تم کو اسی لئے ملا ہے۔ کہ جب سر پر آکر پڑے۔ تو کوئی
عذر نہ کرو۔ اور ایک ایک کا منہ نہ تکو۔ مگر میں نے بہت سی لڑکیوں کو دیکھا
ہے۔ کہ وہ اس وقت کو کھیل کود میں گزار دیتی ہیں۔ اور جب پرائے گھر
جا پہنچتی ہیں۔ تو آنکھ کھلتی ہے ٭

سب سے آسان اور سب سے ضروری کام جھاڑو دینا ہے۔ اگر
کسی لڑکی کو یہ بھی نہ آئے۔ تو وہ کیسی بدنصیب ہے۔ تم کہو گی۔ کہ آپا جان
کی عقل کو کیا ہوا۔ جھاڑو بھی ایسا کام ہے۔ جو کسی کو نہ آئے۔ مگر یہ سب
کے آنے کا کام ہوتا۔ تو بڑے یہ نہ کہتے۔ "سگھڑ کی جھاڑو پھوہڑ کا لیپا"۔
بہن جھاڑو جھاڑو میں بھی فرق ہے۔ ایک جھاڑو تو ایسی ہوئی۔ کہ جیسے
بلّی نے پنجے مار دئے۔ ایک ایسی ہوئی۔ کہ گھر چندن کر دیا۔ دُور کیوں
جاؤ بستی ہی کو دیکھ لو۔ چھ بچّوں کی ماں ہوگئی۔ مگر جھاڑو دینی نہ آئی۔ کبھی
نکل آئے۔ تو دلوا کر دیکھنا۔ جھاڑو کے معنے یہ ہیں۔ کہ بچھونے پر دو تو تنکا
تو تنکا سلوٹ تک نہ رہے۔ بیٹیوں کا کام صُبح اُٹھ کر نماز سے فراغت پا
گھر میں جھاڑو دینا ہے۔ کہ کوئی نکل آئے تو نام نہ دھرے۔ کسی آدمی
کے بیٹھے پر جھاڑو دینا غلطی بھی ہے۔ بدتمیزی بھی۔ انگنائی میں جھاڑو دو
اور خاک اُڑنے کا ڈر ہو۔ تو ذرا سا پانی چھڑک لو۔ کہ خاک دب جائے۔
لو دیکھو بچّہ رونے لگا۔ اب کیا لکھوں؟

(بیگم)

۳۷۔ چھوٹی بہن کو

واہ ری کل جبی۔ بھائی کو کوستی ہوئی کیا اچھی معلوم ہوتی ہے۔ میرا بس چلے تو تجھ نامراد کوستی کا مُنہ جُھلس دوں۔ عمر بھر بگلا کھُورا۔ بے وقوفی اُسی کی ہے۔ کہ اپنے بچوں سے زیادہ ٹھسایا۔ باپ کی طرح سر پر ہاتھ رکھا۔ ماں کی طرح کلیجے سے لگایا۔ اس کا بدلا یہ کہ تو مُنہ بھر کوسے۔ مَر جائے تو کوستی چڑیل۔ اس کا نمک پھوٹ پھوٹ کر نکلے گا۔ فاروقی بندی جاتی کہاں ہے اللہ چاہے کیڑے ہی پڑیں۔ اور کوئی چُلنے والا نصیب نہ ہو۔ دیکھ لیجیو۔ در در کی بھیک ہوگی۔ اور ٹکڑا نصیب نہ ہوگا۔ موئی نمک حرام جس ہنڈیا میں کھائے۔ اُسی میں چھید کرے۔ اللہ رکھے اس کے آگے بھی تو دو دو بیٹیاں ہیں۔ یا ان کو باہر کر تیرا ابھرنا بھرے جائے۔ کس دل سے ناگن تو نے بھائی کو کوسا۔ اُس کا تو اللہ چاہے۔ رُواں بھی میلا نہ ہوگا۔ اُلٹ سلٹ سارے کوسنے تجھ ہی پر پڑیں گے۔ اپنے بچوں کے کپڑے بنا دیتا اور تیرے نہ بناتا۔ تو موئی پاپن تو کہتی ہوئی بھی اچھی لگتی۔ ایک سوا روپلی کی جوتی پر تو یوں بھائی کو کوسے۔ اور پھر میری ہی گود میں بیٹھ کر میری ہی ڈاڑھی کھسوٹے۔

مَیں کوئی تجھ جیسی نا جو بہن تھوڑی ہوں۔ تیرا تو خون سفید ہوگیا۔ مجھے بھائی کہاں۔ چھائیں پھوئیں جہاں اس کی دائی نے ہاتھ دھوئے ہوں تجھے وہاں مسل کر نہ رکھ دوں۔ ناشدنی ناہنجار ڈوب مَر۔ اشراف ہوگی تو اب مجھے خط نہ لکھیو۔ ایسا بھائی آج چراغ لے کر ڈھونڈو تو نہ ملے۔ اس

ا یہ قدر۔ تیرے منہ میں خاک دھول۔ اُس کے تو گناہ دُھلے۔ تیرا ہی دین
دُنیا دونوں ناس ہوئے۔ ایسی مُردار کو جو سگے بھائی اور ایسے بھائی کی
وں دُشمن ہو۔ کون مُنہ لگائے۔ خبردار جو اب مجھے خط لکھا ہوگا۔ اللہ
چاہے لاہور بھی آؤگی۔ تو تیری صورت نہ دیکھوں گی۔ تجھے بھائی نصیب
ہے۔ مجھے بھائی نصیب نہیں۔ میری تو موئی مٹی کی نشانی سر بدلے کا سر
ماں ہے تو۔ باپ ہے تو۔ ایک اُس کا دم ہے۔ اللہ رہتی دُنیا تک رکھے۔
اور خدا کرے صحیح سالم چھوڑ جاؤں +

۳۸۔ ایک مُنہ بولی بہن کو

لو بی آپا مبارک ہو۔ تمہاری نند ہنسی خوشی اپنی سُسرال کو سدھاریں۔
تمہارے نہ آنے کا ایک مجھے کیا۔ سارے مہمانوں کو افسوس رہا۔ مگر خیر
بند گیا سو موتی رہ گیا سو کنکر۔ آپا کیا بتاؤں تمہاری نند تو ہیرا نکلی۔ خدا ایسی
بیٹی کُل کو دے۔ ایک پیسہ تو اُس نے بے راہ اُٹھنے نہیں دیا۔ یہ جتنی
رسمیں وسمیں ہیں۔ سب ہی کے مُنہ کو آگ لگائی۔ ایک آرسی مصحف تو
ضرور ہوا۔ باقی کچھ نہیں۔ جوڑے کیسے اکیس اور کس کے پچیس؟ کل
گیارہ۔ وہ بھی مسالے سے پٹے نہ گوکھرو سے لسے۔ برتن ضرورت سر
کاٹ کباڑ نام کو نہیں۔ ہاں سب کی کتر بیونت کرا کر ڈھائی ہزار روپے
کا مکان جہیز میں لے گئی +
بہت سیوں نے نام بھی رکھا۔ مگر میں تو کہتی ہوں۔ اللہ ایسی عقل
دُنیا جہان کو دے۔ سچ پوچھو۔ تو اسی جھوٹی عزت نے ہم کو غارت کیا۔ قرض

لیں نام لیں۔ ایک ایک کے آگے بھیک مانگیں۔ مگر برادری میں واہ واہ اور کنبے میں دھوم دھام ضرور ہو۔ چاہے پیچھے کرفاقے ہی کیوں نہ ہوں۔ خیر یوں بھی سہی۔ مگر اُٹھے تو نیگ تو لگے۔ یہ کیا مُرغی جان سے گئی کھانے والوں کو مزا نہ آیا۔ یہ چار چار اور چھ چھ گھڑونچیاں اور لٹکن آتے کس کام ہیں۔ بیچو تو پیسے کی ادھی نہیں تو گل کر آتا۔ اور رکھتے رکھتے چورا ہوں۔ روپیہ اُٹھے تو ایسا تو اُٹھے۔ کہ وقت پر روپے کے پندرہ نہیں چودہ آنے رل تو جائیں۔ یہ تو نہ ہو کہ بھر مٹھی روپے اور اشرفیاں چولھے میں جھونک دیں۔ دُنیا نام رکھا کرے۔ ایسے نام کو سلام۔ جو حیثیت ہوئی ہزار پانسو روپیہ پیسہ دھیلا اُٹھا یا نقد دے دیا۔ جھگڑا نہ ٹنٹا۔ تمہاری نند نے سلیقہ کیا۔ جو بیٹھنے کو ٹھکلی تو ہو گئی۔ امیری غریبی تو تقدیر سے ہے۔ مگر رہنے کا ٹھیکرا تو ہے۔ مہینہ دو مہینہ مکان دار آکر تقاضا تو نہ کرے گا۔ کہ ذرا کرائے کو دیر ہوئی۔ اور اُس نے ہیس باتیں سُنا ڈالیں۔ میری تو دعا ہے۔ کہ اللہ اپنی اور پرائی سب کی بیٹیوں کو ایسی سمجھ دے۔ آمین +

(حفیظہ)

۳۹- ایک ہمسائی کو

ابراہیم کی اماں۔ تم نے تو وہی کہاوت کر دی۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ اللہ رکھے بیٹی موجود۔ نواسے نواسی موجود۔ پیٹ کی اولاد تو ماری ماری پھرے۔ اتنا حکم نہیں۔ کہ دہلیز پر قدم تو رکھ لیں۔ اور کلیجے سے لگا کر بیٹھو تو کس کو؟ سوتیلی بہن کی ممانی کی بیٹیاں۔

ان اُلفتوں کا کیا جاتا ہے۔ چین سے ڈکو ہیں۔ اور مزے سے ڈسیں مُفت کے اللے تللے کس کو بُرے معلوم ہوتے ہیں؟ سر توڑ رہے ہیں۔ اور کھا رہے ہیں۔ مگر کبھی وقت پڑے گا۔ تو دیکھ لینا۔ سانپ کی طرح پھنپھنا کر آئیں گے۔ دل کو لگے گی تو اُنہی کے۔ جو پیٹ سے ہوئے۔ اور جن کا نانی نانی کہتے مُنہ سُوکھتا ہے +

تم نے حق داروں کو بے حق کیا۔ اچھا نہ کیا۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز۔ اُس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ یہ پھلروا سے بن باپ کے بچے جن پر غیروں کو ترس آئے۔ دو دو دانوں کو محتاج پھریں۔ اور تم ہوت جوت والی نانی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھو۔ اور پھر اللہ والی بنو۔ ماشاءاللہ حجّن تم۔ نمازن تم۔ کوئی کرے ایک حج۔ تم نے کئے تین۔ کوئی پڑھے نماز پانچ وقت۔ تم پڑھو سات وقت۔ تہجد تمہاری نہ جائے۔ اشراق تمہاری ناغہ نہ ہو۔ کلام مجید ہر وقت ہاتھ میں۔ حدیث ہمیشہ ساتھ۔ اور گُن یہ کچھ۔ کہ ذوالقربےٰ کی بات تک نہ پوچھو۔ ایسا کیا باپ پارے کا بَیر بیٹی سے پڑ گیا۔ کہ صورت ہی دیکھنے کی روادار نہیں۔ ذرا میاں صاحب سے تو جا کر پوچھو۔ کہ حضرت میرا نماز روزہ قبول ہوتا ہے یا نہیں۔ ابراہیم کی اماں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا آنکھیں کھولو پہلے اپنوں کی خبر لو۔ پھر دوسروں کی خدمت کرنا۔ بہن ہمیشہ یہاں رہنا نہیں۔ چلنے کا وقت آ رہا ہے۔ یاد رکھنا۔ یہ حق دار جو آج بے حق کر دئے۔ سانپ بچھو بن کر ڈسیں گے۔ خدا کے واسطے ان پر رحم کرو۔ اور مرنے کو مرنا سمجھو +

۴۰۔ چھوٹی بہن کو

ہمشیرہ عزیزہ۔ خدا تمہیں اپنے گھر میں رہنا نصیب کرے۔ تمہارا خط جمعے کو آیا تھا۔ جمعے ہی کو سب خواجہ صاحب چلے گئے تھے۔ کل لوٹے ہیں۔ اس لئے چار پانچ روز کی جواب میں دیر ہوگئی۔ خواجہ صاحب جا کر ایسا دل خوش ہؤا ہے۔ کہ کیا بتاؤں۔ چار دن اور پانچ راتیں ایسے مزے سے گزری ہیں۔ کہ کبھی نہ گزری ہونگی۔ تمہارے خیر سے نہ ہونے کا سب کو خیال تھا۔ مگر اگلے برس اللہ چاہے۔ تمہیں بھی ساتھ لے کر چلیں گے۔ اب کے تو ایکا ایکی جانا ہوگیا۔ حبیب کی دُلھن مہینہ مہینہ بھر سے جانے کو کہہ رہی تھی۔ میاں چار دن کی چھٹی آیا۔ وہ اَدر بھی پھیل گئی۔ جمعے والے دن حبیب آن اماں کے سر ہوگیا۔ کہ بہو کو خواجہ صاحب دکھا دو۔ پہلے تو اماں نانکر کرتی رہیں۔ کالی کالی گھٹائیں دیکھ کر اُن کا جی بھی بھر بھرا گیا۔ اور چٹ ہاں کرلی۔ ہفتے کی صبح چلنا ٹھیرا۔ چھ گھڑی رات کی توپ چلے تک دونو بھائی حبیب اور نصیب سارے شہر میں خاک چھانتے پھرے۔ مگر سیج گاڑیاں نہ جڑیں۔ دس ساڑھے دس سے کم تو کسی نے کھڑا نہ ہونے دیا۔ دلّی کی بیکری غلقت اور پھر برسات کا موسم۔ اَڈی چلی جا رہی ہے۔ غرض یہ کہ بوا ہماری تقدیر کے دو بھارکس تھے۔ اُن سے سودا چکا۔

تین بجے رات سے اُٹھ میں نے چھپاک جھپاک گلگلوں کا آٹا، متھا، سلونی ٹکیاں تلیں۔ سہال بنائے۔ اتنے میں اذان ہوگئی۔ نمازیں پڑھ پڑھ گاڑی میں بیٹھے۔ ماشاءاللہ سب کے سب تو ہم۔ اس پر خالہ رحمتی اور اُن کے بچے

بی زینب اُن کا پوتا۔ ہمسائی اُن کی بہو۔ شیریں چمن صنوبر تینوں یہ۔ یوں سمجھو۔ چھوٹے بڑے ملا کر اکیس بندے تھے۔ اب جو کچھر دھان بھرنی شروع ہوئی ہے۔ بچے کچے تو آگے سانگی میں۔ لڑکے بالے آگے مانجھی میں۔ گاڑی والا ہے کہ پیٹ رہا ہے۔ مگر سُنتا کون تھا؟ اوپر تلے گر پڑ گھُس گھُسا ایک کا سر ایک کے پاؤں۔ ایک کا دھڑ ایک کی کمر۔ اس طرح تو بیٹھے۔ اب صاحب گاڑی چلی۔ یا تو آٹھ دن سے وہ چلچلاتی دھوپ کہ چیل انڈا چھوڑ دے یا حلیب کا آکر کہنا تھا۔ اور گھٹا موجود۔ مگر ساری رات جوں کی توں تُلی کھڑی رہی۔ کیا مجال جو بوند تک گری ہو۔ اجمیری دروازے سے باہر نکلنا تھا۔ پھر جو دھوتا ل پانی پڑا ہے۔ تو گاڑی کی سرکیاں اور پردے۔ گاڑی اور ہم سب چوڑا ہو گئے۔ سڑکوں پر پرنالے چل گئے۔ بیلوں کے گھٹنے گھٹنے پانی۔ چلنا مشکل ہو گیا۔ اب بڑ کے درخت کے نیچے ٹھیرے۔ مگر مینہ کیا ایک طوفان تھا۔ کہ تھمنے کا نام تک نہیں۔ مقصد یہ کہ ڈیڑھ دو پہر بندھے کھڑے رہے۔ پھوٹیاں پھوٹیاں رہ گئیں۔ تو آگے بڑھے ✤

عصر کے وقت قطب پہنچے۔ ہمسائی کو تو تم جانتی ہو۔ جنگل میں منگل کرنے والی ہیں۔ نیم میں جھولا ڈال جو لہک لہک کر ملہار شروع کئے ہیں۔ تو قطب بھر گونج اُٹھا۔ اب سیر کی سوجھی۔ برقع اوڑھ اوڑھ نکل کھڑے ہوئے۔ کیا سماں تھا۔ سبز سبز گھاس لہرا رہی تھی۔ مور جھنگار رہے تھے۔ کوئل کوک رہی تھی۔ پپیہا اُلاپ رہا تھا۔ اُودی اودی گھٹائیں۔ قافلے کا قافلہ لاٹھ پر چڑھ گیا۔ اوپر کے کھنڈ پر چڑھ کر جو دیکھتے ہیں۔ تو سارا جنگل ہریاول سے بھرا ہوا تھا اتنے ہی میں مینہ شروع ہوا۔ گد بد نیچے اُترے۔ وہیں بیٹھے رہتے تو چاہے چھاجوں پانی پڑ جاتا خبر نہیں ہوتی۔ مگر ایک سے ایک چُلبلی تھی۔ ٹکتا کون؟

بھیلتے بھاگتے چلے۔ اور چلے کدھر؟ اولیا مسجد کی طرف +
رستے میں خدا نے خیر ہی کرلی۔ یہ بڑا کالا سانپ پھن اُٹھائے کھڑا تھا۔
جمّو آگے تھی۔ اُسی کی نگاہ پڑی۔ اُچھل کر الگ جا پڑی۔ اتنا تو مُنہ سے نکلا۔
ارے سانپ۔ دیکھا تو سچ مچ سب کے ہوش اُڑ گئے۔ بی زینب کروٹ میں
تھیں۔ برابر میں تھا نالہ۔ اوئی کہہ کے جو پھلانگی ہیں۔ تو غڑپ پانی میں۔ سانپ
تو غل غپاڑا سُن ادھر کا اُدھر ہی ندارد ہوا۔ زینب کے گرنے سے جو ہنسی
پڑی ہے۔ تو بچّہ بچّہ لوٹا جاتا تھا۔ اور وہ ہیں کہ اللہ کی جی نالے ہی میں پڑی
ہوئی اچھّی خالہ آنا۔ ارے میں چلی۔ ارے بی منجھلی آپا پکڑنا کی آوازیں لگا رہی
ہیں۔ جوں توں کرکے اُن کو نکالا۔ ٹھکانے پر آئے۔ تو پھر مینہ شروع ہوا۔ دن
بھر کے بھوکے تھے۔ زینب اور کلثوم تو کڑھائی پر بیٹھیں۔ اور دونو دُلہنیں جُھولے
میں بیٹھ گئیں۔ پھر جو گرم گرم پکوان نے مزا دیا ہے۔ تو بس کچھ پوچھو نہیں سیر
تو خیر ختم ہو ہی گئی۔ مگر بوا آگے کو یہ گرہ باندھ لی۔ کہ قطب ہو چاہے جنگل۔
گھاس میں جائے تو دیکھ بھال کر۔ اور زینب کی طرح سٹ پٹا کر بے اوسان
بھی نہ ہو۔ کہ پھلانگیں جو سہی تو چاروں شانے چت پانی میں +

(بڑی بہن)

۴۱۔ خالہ زاد چھوٹی بہن کو

نعیمہ بیٹی مجھے یہ سُن کر کہ تم کو تین دن اُبالی دال ملی خوشی بھی ہوئی
اور رنج بھی۔ رنج تو اس کا کہ خدا جھوٹ نہ بُلائے۔ تو ہزار ہی دفعہ میں نے
تمہیں سمجھایا ہوگا۔ کہ نُتری لڑکی کی خدا صورت نہ دکھائے۔ تم نے کیا

وہ مثل نہ سُنی ہوگی۔ کہ چوٹی آئی چیز چھپاؤ۔ لتری آئی بات چھپاؤ۔ مگر تم نے اپنی ہٹ نہ چھوڑی۔ اور دن دونی رات چوگنی ہوتی رہیں۔ خوشی اس بات کی کہ تمہارے گُن ہی اس قابل ہیں۔ خالہ اماں نے تو مامتا کے مارے دال بھی دے دی۔ میرا بس چلتا۔ تو پانی تک نہ دیتی۔ ایسی بیٹی جی بھی تو کس کام کی؟ جو سارے کُنبے کو اُگٹوا دے۔ آخر ہم بھی تو آدمی ہیں۔ ہزار باتیں ہوں۔ مگر سب سُنی اَن سُنی۔ یہ تھوڑی کہ بس ایک بات سُن لی۔ تو شگوفہ ہاتھ لگ گیا۔ اب بھی اگر بھلی مانس ہو۔ تو بہ کرو نہیں تو اُبالی کیا سوکھے ٹکڑوں کو ترسو گی۔

(تمہاری بڑی آپا)

۴۲۔ ماں کا خط بیٹی کو

چھٹے مُنہ سے نامراد گھڑی بھر کو آئی۔ اور کُنبے بھر میں ناک کٹوا گئی۔ دُنیا کو موت آرہی ہے اور نہیں آتی تو تجھ کو۔ الٰہی کسی کی آئی تجھے آجائے۔ کہ یہ رُسوائی تو نہ ہو۔ تیرا پردہ نہیں ڈھکتا۔ تو خدا مجھ ہی کو اُٹھا لے۔ کہ اس سوختی سے تو بچوں۔ تجھ سے کہا کس نا شاد نے تھا۔ کہ تو مانگے تانگے کا پہن اوڑھ شادی میں جا پہنچ۔ موئی ڈھوے کھانے کو ڈھائی سیر۔ تمیز کے نام موت۔ اری دیدوں پھٹی خدا کرے دونو ہی بھٹم ہو جائیں۔ اتنا تو سوچا ہوتا۔ کہ بہن کی سسرال جا رہی ہوں۔ اُس کے جنم میں تو نہ تھکواؤں۔ اس کا نیا قلعی کیا ہوا کمرہ پیکوں سے گُل انار بنا دیا۔ ایسی ہی پان کھانے کی سلامتی ماری جاتی تھی۔ اور بے زردے نہیں سرتی تھی۔ تو ڈیوڑھی میں

پڑ رہتی۔ باہر جا کے جھوکنے میں کیا پاؤں ٹوٹتے تھے۔ کہ بچھونا اُٹھایا اور بچھر بچھر کر دیا۔ اری مُردار اس کا بھی تو نہیں۔ اس کی نند کا نئے کا نیا قالین۔ ایک آدھ گھڑی میں چکنے کے چکتے ڈال دئیے۔ اس کی ساس ایک اُتار عورت۔ وہ بہو کو کچا کھا جائے گی۔ خیر یہ تو جو ہُوا سو ہُوا۔ یہ تو بتاؤ بہن کی پُہنچیاں کہاں غارت کیں۔ صُبح سے بیٹھی رو رہی ہے۔ اور آنسو نہیں تھمتا۔ میکے کی بھی تو نہیں۔ چڑھاوے کی پُہنچیاں تھیں۔ تو بھی پُہنچیوں کے ساتھ مر جاتی۔ تو صبر آ جاتا۔ دو دفعہ ڈولی پھیر چکی ہوں۔ بتا اب اس کو کیا پہنا کر بھیجوں۔ ذرا کھڑے کھڑے یہاں آ۔ اور بتا کہ کہاں رکھی تھیں۔ کون کون پاس بیٹھا تھا۔ میں کی تو کیا خاک۔ مگر خیر پوچھوں گچھوں تو سہی +

سہیلی کی بیٹی کو

بی رشیدہ جیتی رہو۔ تمہارا خط پہنچا۔ جی خوش ہُوا۔ تم نے اپنے بڑے بھائی سے کیوں نہ پوچھ لیا۔ وہ تمہیں گھڑی کا حساب سمجھا دیتے۔ خیر میں بتاتی ہوں۔ کچھ مشکل تھوڑی ہے۔ ذرا سی سمجھ چاہئے۔ گھڑی ہو یا گھنٹہ دو سوئیاں ہوتی ہیں۔ ایک چھوٹی ایک بڑی۔ چھوٹی سوئی گھنٹے بتاتی ہے۔ اور بڑی منٹ۔ بارہ لکیریں یعنی ہندسے یا نشان ہوتے ہیں۔ اور ہر ہندسے سے دوسرے ہندسے تک پانچ منٹ ہوتے ہیں۔ بڑی سوئی ایک لکیر سے دوسری لکیر تک یا ایک ہندسے سے دوسرے ہندسے تک پہنچتی ہے۔ تو پانچ منٹ ہو جاتے ہیں۔ بارہ کا پہاڑہ تو تم نے پڑھا ہے۔ بارہ پنجے ساٹھ۔ جب یہ بڑی سوئی جہاں سے چلی۔ وہیں پہنچے۔ تو گویا ساٹھ منٹ طے کر آئی۔ کیونکہ بارہ ہندسے طے

کرائی ہے۔ مگر چھوٹی سوئی ایک ہندسے سے دوسرے تک صرف ایک گھنٹے میں
پہنچتی ہے۔ اس لئے جتنی دیر میں بڑی سوئی بارہ کے بارہ نشان طے کرلے گی
یعنی ساٹھ منٹ ہوں گے۔ تو چھوٹی صرف ایک نشان طے کرلے گی یعنی
ایک گھنٹہ ہوگا ✦

یہ تو تم جانتی ہو کہ گھنٹے تو کل بارہ ہوتے ہیں۔ اس لئے
گھڑی میں بارہ تک ہندسے ہیں۔ یہ دیکھو بیچوں بیچ بارہ
ہیں۔ اب سیدھے ہاتھ کی طرف چلو I یہ ایک ہوا
آگے چلو II دو ہوئے۔ یہ III تین۔ یہ IIII چار۔ بعضی
گھڑیوں میں چار اس طرح IV بھی ہوتے ہیں۔ اب پانچ
V تو پانچ تک تو آگئے۔ اب VI چھ VII سات VIII آٹھ اور آگے چلو نو IX
اب کیا رہا X دس۔ لو گیارہ یہ ہوئے XI اب کیا رہا XII یہ بارہ ہوگئے
اس کا حساب صاف صاف یوں سمجھ لو۔ ایک کی لکیر ایک۔ دو کی دو۔
تین کی تین۔ چار کی چار۔ پانچ پر جا کر یوں V ہندسہ ہو گیا۔ اس کے آگے
ایک بڑھا دیا چھ۔ دو بڑھا دئے سات۔ تین بڑھا دیں آٹھ۔ چار بڑھا دیں
نو۔ دس پر آکر پھر بدلا یوں X ہو گیا۔ مگر اتنا یاد رکھو۔ اگر چار لکیروں کا چار
نہ ہو تو پانچ کا ہندسہ لکھ کر الٹے ہاتھ کی طرف ایک کر دو۔ تو گویا پانچ میں سے
ایک کم ہوا۔ تو چار رہے۔ جیسے IV چار ہیں۔ اسی طرح آٹھ کے آگے نویں VIIII
ہونا چاہیئے۔ مگر اتنا بڑا کون لکھے۔ دس میں سے ایک کم کر لیا نو ہو گئے۔
یہ نو IX ہو گئے۔ بس دو ہندسے یاد کر لو۔ یہ V پانچ اور یہ X دس۔ اب
اس میں آگے ایک بڑھا دو چھ ہو جائیں۔ جیسے VI کم کر دو۔ چار رہ جائیں
جیسے IV اسی طرح دس میں ✦

اب سوئیاں سمجھنی رہیں تو وہ بھی سمجھو۔ دیکھو چھوٹی سوئی
تین پر ہے۔ اور بڑی سوئی نو پر۔ تو مطلب یہ ہوا۔ کہ
چھوٹی سوئی دو بجا کر چلی۔ کہ تین تک پہنچے۔ اور بڑی سوئی
بارہ کی لکیر سے چلی۔ کہ پھر بارہ کی لکیر پر آئے۔ کیونکہ گھنٹہ تو اُسی وقت پورا
ہوگا نہ۔ جب بڑی سوئی بارہ پر آئی تھی۔ اور چھوٹی سوئی دو پر۔ تو دو بجے تھے۔
اب دونو سوئیاں چلیں۔ کہ تین بجائیں۔ چھوٹی کو صرف ایک لکیر تک جانا ہے۔
اور بڑی کو ہر پھیر کر پھر وہیں آنا ہے۔ یعنی بارہ پر۔ تو جب بڑی سوئی بارہ سے
ایک پر آئی۔ تو اس نے پانچ منٹ طے کئے۔ کیونکہ ہر لکیر سے دوسری
لکیر تک پانچ منٹ کا فرق ہے۔ جس وقت بڑی سوئی ایک پر تھی۔ تو دو بج
کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ جب دو پر آئی تو دو بج کر دس منٹ ہوئے۔
جب تین پر آئی تو دو بج کر پندرہ منٹ ہوئے۔ یعنی سوا دو۔ چار پر آئی تو۔
دو بج کر بیس منٹ ہوئے۔ پانچ پر آئی تو پچیس۔ اور چھ پر آئی تو تیس یعنی
ڈھائی۔ اس وقت چھوٹی سوئی دو اور تین کے بالکل بیچوں بیچ ہوگی کیونکہ
آدھ گھنٹہ چلے ہوا ہے۔ اب ڈھائی کے بعد بڑی سوئی اور آگے بڑھی۔
تو سات پر آئی۔ اب دو بج کر پینتیس منٹ ہوئے۔ یعنی تین بجنے میں پچیس
منٹ باقی ہیں۔ آٹھ پر آئی تو دو بج کر چالیس منٹ ہوئے۔ یعنی تین بجنے میں
بیس منٹ باقی ہیں۔ اب نو پر آئی۔ جہاں اب ہے۔ تو اب بتاؤ کیا بجا ہے۔
پانچ کا پہاڑہ پڑھو۔ پانچ نم پینتالیس۔ اب دو بج کر پینتالیس منٹ ہوئے۔
مگر جس طرح ہر چیز کا آدھا اور پاؤ ہوتا ہے۔ اُسی طرح گھنٹے کا ساٹھ منٹ
کا۔ تو پورا تیس منٹ کا آدھا۔ جو ہمیشہ چھ کے ہندسے پر ہوتا ہے۔ کیونکہ گھنٹہ
بارہ پر بجتا ہے۔ بارہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے بارہ کا آدھا چھ۔

جب سوئی چھ پر پہنچی۔ تو آدھ گھنٹہ ہوا۔ جب تین پر تھی۔ تو پندرہ منٹ سے گئے تھے۔ ساٹھ منٹ کا گھنٹہ۔ ساٹھ کی چوتھائی پندرہ۔ پندرہ چوکے ساٹھ تو جب بڑی سوئی تین پر تھی۔ تو دو بجے تھے۔ اب جب نو پر آئی۔ تو دو بج کر پینتالیس منٹ ہوئے لیکن ساٹھ کا پونا پینتالیس۔ اس لئے پونے تین بجے ہیں۔ اب دس پر آئی۔ تو چاہے یہ کہو کہ دو بج کر پچاس منٹ ہوئے یا سیدھی سی یہ بات کہہ دو۔ کہ تین بجنے میں دس منٹ ہیں۔ کیونکہ بڑی سوئی کو بارہ تک پہنچنے میں بس دو ہی لکیریں تو طے کرنی ہیں۔ گیارہ اور بارہ۔ جب گیارہ پر آئی۔ تو دو بج کر پچپن منٹ ہوئے۔ مگر سیدھی سی بات کہو۔ تین بجنے میں پانچ منٹ ہیں۔ لو صاحب بڑی سوئی بارہ پر پہنچی۔ تو چھوٹی تین پر ہوگی۔ تین بج گئے۔

(حامدہ)

۴۴۔ بھانج بہو کو

بڑی دلھن بیٹی تمہاری یہ محمودہ کی خالہ تو آٹے کی آپا ہیں۔ قدری کر ڈالو۔ اپنی جگہ سے ٹلنے والی نہیں۔ عورت کیا مٹی کا تھوا ہے چیخو پیٹو بگڑو سنورو۔ یہ ٹس سے مس نہیں۔ میں تو کھڑے کھڑے وہ بھی تمہارے اتنا سر ہونے سے اُدھر جا نکلی۔ مجھے کیا خبر کہ تم نے ایسا جانور بھی پال رکھا ہے۔ خبر نہیں کہاں کی بن مانس ہے۔ گونگی نہیں۔ بہری نہیں۔ پھر زبان کو کو لے گئی۔ تم جیسی بھولی بھالی پلے پڑ گئی۔ اُس نے کئے فیل۔ تم ہوئیں مرید۔ پھر کام کرے اُس کی جوتی۔ منہ لگانے کی دیر تھی۔ موری کی اینٹ چوبارے

چڑھ گئی۔ ایسے ایسے آسیب ہم نے بھی بہت دیکھے ہیں۔ میرا بس چلتا تو پانسو جوتیاں مارتی۔ جب جن وِن دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ میں تو اس جھومنے کا ایسا مزہ چکھاتی۔ کہ عمر بھر یاد کرتی۔ بھلا بڑی دلھن اللہ رکھے چھ بچوں کی ماں ہوگئیں۔ مگر بچپن ابھی نہ گیا۔ کیسا جن اور کس کا آسیب؟ یہ سب اُن مرداروں کے ڈھونگ ہیں۔ بہتر سے بہتر روٹی اور اچھے سے اچھا کپڑا ملے۔ تو کون بے وقوف ہے۔ جو پتہ مارے۔ اور محنت کرے۔ وہ یوں ہی سر توڑے گی۔ اور کھائے گی۔ آخر تمہاری بھی کوئی عقل ہے۔ بھلی چنگی عورت اکڑا اکڑا تن تنا جن بن گئی۔ اور تم ایمان لے آئیں *

بُوا اپنا مال ہے چاہے جسے کھلاؤ۔ دن بھر تخر تخر کرنے والی لونڈیاں تو تپتے ہوئے پتھر اور جھلستے ہوئے واسوں پر ننگے پاؤں کوڑی پھرا کریں۔ اور یہ مردار چودھرائن ہی ایک ایک پر حکومت کرے۔ میں چھوٹی چچی جان کے ہاں اس کو دیکھ چکی ہوں۔ پکا چار سیر آٹا پکا کر اُٹھتی تھی۔ اور وہی پانچ روٹیاں اور مروڑیوں کی ٹکیا۔ مجال ہے پانچ سے چھ تو ہو جائیں۔ بہتیرے ہی جال پھیلائے۔ محرم کی فقیر یہ ہی۔ ٹھکنی شاہ کی چیلی ہوئی۔ دریا پہ چلّے ان نے کئے۔ کوٹھریوں میں نیازیں اس نے دیں۔ مگر چھوٹی چچی جان وہ بلا کہ اس جیسی دس کو چرا کر چھوڑ دیں۔ وہ اس کے ہتھکنڈوں میں کیا آنے والی تھیں۔ اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئی۔ اسلم کے بیاہ پر آیا حامد۔ بھلا وہ ایک آفت کا پرکالا۔ ان کی دو سو دانوں کی تسبیح دیکھ کر اُس نے ایسی چیخ ماری۔ کہ دُور پار دُشمنوں کا دم ہی فنا ہوگیا۔ پھر جو اُس نے اُن کو چٹکیوں میں اُڑایا ہے تو اُنہیں بھی مزا آگیا۔ اب ان کی دال وہاں نہیں گلتی۔ وہاں سے جو نوک دُم سیدھی ہوئی ہیں۔ تو اب تمہارے ہاں صورت دیکھی ہے *

بڑی دُلھن اچنبا تو یہ ہے کہ تمہارا میاں جن تو جن سر سے ولیوں تک کا قائل نہیں۔ وہ ان نیک بخت کی صورت دیکھ کر کیا کہے گا۔ بیٹی میرا کہنا پتھر کی لکیر جانو۔ یہ سب کھانے کمانے کے ڈھکو سلے ہیں۔ موئی چڑیل بھتنیوں کی سی شکل۔ چماریوں کی سی گت۔ مَیں تو اس کے ہاتھ کا پانی تک نہ پیوں۔ بیچارے جنوں کی ایسی کیا ہیسی ڈوبی ہے۔ کہ ان صدقہ خوروں پر ریجھیں گے۔ بڑی دُلھن بیٹی۔ یہ کُٹنی سر مونڈھ کر بھی نہ چھوڑے گی۔ خدا کے لئے اس کو نکال باہر کرو۔ اور کہو نیک بخت مَیں تو ڈھائی پو چکی ۔

(محمدی)

۴۵۔ دیورانی کو

دوئی بوا چھوٹی دُلھن پُنکی پڑے تمہارے سہاگ پر۔ بچاری بچّی کی ناک لہولہان کردی۔ ریجھیں گے تو پتھر ہی ماریں گے۔ محبّت بھی اُچھلی تو دُکھ ہی دینے کی۔ اسی لئے آدمی پر آدمی اور تقاضے پر تقاضا تھا۔ کہ سکینہ کو بھیج دو۔ سکینہ کو بھیج دو۔ مَیں بھی تو کہوں تین ساڑھے تین برس بعد ایسا کیا پیٹ میں درد اُٹھا۔ کہ دہلیز کی مٹی لے ڈالی۔ بوا شاباش تمہاری چھیدتی کے جگرے اور اس بھتیجی کے کلیجے کو۔ ساڑھے تین برس کی بچّی ناک میں نکیل پڑی تمہیں ہی اچھی معلوم ہوتی ہوگی۔ ہم تو جب جانیں۔ کہ گلے میں ہمیل بھی ڈال دو۔ تم تو خیر مشہور کٹر ہو۔ مَیں اُس ماں کو کہتی ہوں جس نے جان بوجھ کر تم جیسی قصائی کے سُپرد کردیا۔ نگوڑی کی کچھ عمر بھی ہو۔ ایسی

کیا آفت پڑ رہی تھی۔ جو بیٹھے بٹھائے بچی کو ہلکان کیا۔ چار ساڑھے چار گھنٹے ہو گئے۔ اب تک تو اُس کی سُبکی تھمی نہیں ہے۔ اللہ کی بندی اتنا تو سوچا ہوتا۔ کہ یہ برسات کے دن۔ گرمی دانہ بھی تو پھنسی ہو جاتا ہے۔ ان دنوں ناک چھیدوں گی۔ تو پکے گی یا نہیں۔ مگر وہی کہاوت ہے۔ ایتر کے گھر تیتر۔ باہر باندھوں یا بھیتر۔ کسی اَور کے ہاں بچے ہوئے تھوڑی ہیں۔ منجھلی وُلھن ہی انوکھی اماں اور تم ہی نرالی خالہ بنی ہو۔

(م)

بچپن کی یاد

(ایک سہیلی کا خط پڑھ کر)

بچپن کی کھیلی صادقہ۔ میری سہیلی صادقہ
پیاری بھنیلی صادقہ۔ خط کا تمہارے شکریہ
مُدّت کے بچھڑے مل گئے۔ برسوں کے روٹھے مَن گئے
سب لفظ دل میں گڑ گئے۔ چُوما سر آنکھوں پر رکھا
میں دُور تھی مجبور تھی۔ رنجوں میں چکنا چور تھی
ورنہ بگڑتیں لاکھ تم۔ میں آپ ہی لیتی منا
کواری سے بیاہی ہو گئیں۔ ضِدّن سے دُلھن بن گئیں
بھولے ہوئے یاد آ گئے۔ شادی سے اتنا تو ہوا
بچپن گیا گزرا ہوا۔ تھی چار دن کی چاندنی
وہ رات آخر ہو چکی۔ اب سر پہ سورج آ گیا

تاروں بھری راتیں گئیں۔ طاقوں بھری گڑیاں چھٹیں
دن کھیل کے رخصت ہوئے۔ اب وقت ہے کچھ کام کا

پیپل کی چھاؤں یاد ہے؟ دن ٹیر ہوتا تھا جہاں
مدت ہوئی دیکھا نہیں۔ واں گھونسلا تھا چیل کا

اماں کا غصہ اور میں۔ خالہ کی خفگی اور تم
کیا وقت تھا کیا بات تھی؟ مطلق اثر ہوتا نہ تھا

چھوٹے کھنڈر میں لیٹنا۔ مٹی پہ دھم دھم کودنا
وہ لوٹنا اور پوٹنا اور آگے پیچھے بھاگنا

پھر چھائیں مائیں کھیلنا۔ کوڑی ذفن میں کودنا
کیسا سماں رخصت ہوا۔ کچھ دھیان بھی ہے؟ صاد قہ

گارے کے گھر سرکی کے در۔ پلٹے ہوئے تھے جن پہ پر
اب پھر نہ آویں گے نظر۔ جو کچھ وہ دیکھا خواب تھا

گر عید آتی تھی کبھی۔ ہوتی تھی دل کو کیا خوشی
جھم جھم کی ہونگی چوڑیاں۔ اس دھن میں راتوں جاگنا

کیا فائدہ اس ذکر سے۔ لگتی ہے دل پر چوٹ سی
وہ سیر آخر ہو گئی۔ اب راگ ہے بے وقت کا

بے فکر ہوتی تھی بسر۔ غم کا نہ تھا دل پہ گزر
رخصت ہوا بچپن مگر۔ یہ پھل ہمیں دیتا گیا

جھک جھک میں دن سارا کٹے۔ ریں ریں میں گزرے رات سب
رنج و الم سر پر ہیں اب۔ ہر دم ہے غم کا سامنا

اب ختم ہوتا ہے یہ خط۔ پھولو پھلو سکھ سے رہو

بیلیں بڑھیں۔ گودی بھرے۔ بیٹا ہو پیدا چاند سا
جھولے کا گانا یاد ہے؟ سچ مچ ہی وہ دن آ گئے
جا پہنچیں! پیاری صادقہ! لینے کو ساجن آ گئے

۴۷۔ ماں کا خط بیٹی کو

گیتی آرا بیگم کو ماں کی طرف سے بہت بہت سلام۔ پیاری بیٹی تمہیں سسرال رخصت کر کے میں الہ آباد پہنچی جس طرح یہ رستہ کٹا۔ اور جو کچھ اس وقت تک دل کی حالت ہے۔ وہ تم کو اس وقت معلوم ہوگی جب میری طرح چودہ برس کی بچی کو بیاہ کر ہاتھ جھاڑ بیٹھو گی۔ میں تمہاری محبت اور سعادت مندی کا شکریہ نہیں ادا کر سکتی۔ منہ نہیں کہ تمہاری تعریف کروں۔ میری تو خیر چودہ ساڑھے چودہ برس کی محبت تھی۔ مجھ پر جو گزری ٹھیک تھا باپ کی ممتا تھی۔ بھائیوں کا جوش تھا۔ وہ جتنا روئیں بجا۔ مگر نہیں پیاری گیتی آرا میرے گھر کا ایک ایک کونہ نوکر چاکر دیوار کو لے تم کو حسرت سے اپنے گھر رخصت کر رہے تھے۔ جن لوگوں سے تمہیں کوا پنے بس پالا پڑا تم اُن کے دل فتح کر گئیں۔ گو دنیا کے دستور نے اُن کا ساتھ تم سے چھٹا دیا۔ مگر ان کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اور تمہاری گود پڑ پہنوں تک کے شکریے سے ہری بھری ہے۔ اب تک نہ کہا۔ مگر آج کہتی ہوں۔ کہ فرشتہ تھی وہ بیٹی۔ جو چودہ برس ماں کی مہمان رہی۔ مگر ایک دن کسی کا دل نہ دکھایا +

فیاضی کے وہ دونوں بچے جن کا خدا کے سوا کوئی وارث نہ تھا۔ اور

کو تم اپنے ہاتھ سے نہلاتی دُھلاتی تھیں۔ یہ پانچ اور چھ برس کے معصوم
تمہاری پالکی کے پاس کھڑے تھے۔ اور جس شفقت سے تم نے اُن کی خدمت
اُس کو یاد کرکے اُن کا دل بھرا چلا آرہا تھا۔ اُن کی ہچکیاں مجھے یہ
یقین دلا رہی تھیں۔ کہ گیتی آرا کوار پتے ہیں ایسے بیج بو گئی۔ جس کے پھول
سسرال میں کھلیں گے۔ اور وہ ارحم الراحمین جس کے محتاج اور اپاہج
بندے بےکس اور بےبس معصوم تمہارے فراق پر آٹھ آٹھ آنسو رو
رہے ہیں سسرال جیسی کڑی منزل میں جہاں تم تن تنہا گئی ہو۔ تمہارا
بیڑا پار کرے گا۔ تمہاری دونوں بہنیں تمہارے باپ بھائی جن کی خدمت
تم نے فرض سمجھی۔ آج نہیں مدتوں روئیں گے۔ اور گیتی آرا جیسی بیگم کی
جُدائی پر عزیز ہی کیا محلہ بھر رنج کرے گا +

کلیجے کی کور گیتی آرا۔ جن عزیزوں میں چھوٹی سے بڑی ہوئیں۔ اور
جن ماں باپ نے ہاتھوں چھاؤں کرکے منتوں مرادوں سے پالا۔ اُن کو
روتا چھوڑ ایک الگ گھر بسا رہی ہو۔ اس وقت کو یاد رکھنا جس سے
زیادہ نازک وقت اب عمر میں نہ آئے گا۔ میں اور تمہارے باپ اس
پیاری راج دُلاری کو جو گودوں میں پلی۔ اور نگاہوں میں بڑھی حسرت
سے دیکھ رہے تھے۔ اور جو بیگم کا گھر کا اُجالا اور دل کی روشنی تھی۔ اُس
کی پالکی ہماری آنکھوں کے سامنے روانہ ہو گئی گیتی آرا بیگم۔ اس وقت کو
بھولنا مت۔ اس کی لاج عمر بھر رکھنی ہے۔ اور جس شخص کے ہاتھ میں ہم
نے ہاتھ دے دیا۔ اس سے آخر وقت تک نباہ کرنا ہے۔ باپ دادا کی
عزت بڑوں کی آن بان اب تمہارے ہاتھ ہے۔ بیٹی کلیجے پر برچھے لگیں
اور دل میں ٹھوکیں اُٹھیں۔ مگر آنکھ میلی نہ ہو۔ پیٹ کو فاقہ اور بدن کو چیتھڑا ہو

مگر زبان پر شکایت نہ آئے ٭

مجھے یقین ہے۔ کہ تمہاری اماں جان جو خود بھی بیٹیوں والی ہیں۔ میری اس امانت کی قدر کریں گی۔ جس کو چودہ برس کلیجے سے لگا کر رکھا۔ اور اب اُن کے سپُرد کر دیا۔ اُنہوں نے بیٹا دے کر بیٹی لی ہے تمہیں بیٹی سے زیادہ سمجھیں گی۔ میں فقط تمہاری ہی ماں تھی۔ مگر وہ تمہاری اور تمہارے میاں دونوں کی ماں ہیں۔ جو زبان سے کہتی ہو۔ وہ پُورا کرنا۔ اور دُنیا کو دکھا دینا کہ ساس بہویں بھی ماں بیٹیاں ہو سکتی ہیں ٭

گیتی آرا بیگم بیٹی میکے کے فراق کا زیادہ رنج نہ کرنا۔ دُنیا کا یہی دستور ہے۔ کہ ایک کا گھر خالی ہو۔ دوسرا بسے۔ اور وہ ماں باپ جو برسوں اپنی جانیں لڑاتے رہے۔ اپنے گھر سے چپ چپاتے رُخصت کر دیں۔ بیٹی مجھ ماں کا دل دیکھو۔ جو تمہاری تیوری پر بل نہ دیکھ سکتی تھی۔ اُس نے ٹپ ٹپ تمہاری آنکھ سے آنسو گرتے دیکھے۔ اور تم کو روتا بلکتا سوار کروا دیا۔ وہ آنکھیں جنہوں نے تم کو دم بھر اوجھل نہ کیا۔ آج تم کو چاروں طرف ڈھونڈھ رہی ہیں۔ اور یہ گھر جس میں تم ہماری گودوں میں کھیلیں۔ اب بھائیں بھائیں کر رہا ہے ٭

بس گیتی آرا بیگم ہمارا تمہارا سابقہ اتنے ہی روز کا تھا۔ اب نیا دانہ نیا پانی۔ نئے لوگ اور نیا گھر۔ رو دھو چکیں۔ آنسو پونچھو۔ ہمت باندھو اور اس منزل پر نظر ڈالو جسے طے کرنا ہے تمہیں صرف چند عزیزوں کے چھوٹنے کا صدمہ ہے۔ مگر غور کرو۔ وہ دو دل کیا کہتے ہونگے۔ جن کے گھر سے گیتی آرا جیسی بچی سدھارے۔ اور وہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر ہو بیٹھیں۔ گیتی آرا بیگم دُنیا کے مشغلے تمہارا دل بہلا لیں گے۔ مگر ہمارے دل کی

جو کلی مُرجھا گئی۔ وہ کبھی نہ کھلے گی۔ ہمارے حلق میں نوالے اٹکیں گے۔ اور تمہارے بغیر تمہاری کیاری ہمیں زہر لگے گی۔ تم ہم سے کالے کوسوں دُور ہو گی۔ اور تمہاری یاد ہمارا کلیجہ تڑپاتی رہے گی۔ مگر میری دلی آرزو اور پانچوں وقت نماز کے بعد یہ دعا ہو گی۔ کہ خدا تمہیں اپنے گھر میں رہنا نصیب کرے۔ اب میں خط ختم کر کے تم سے رُخصت ہوتی ہوں گیتی آرا بیگم مرے ہوئے باپ دادا کی ہڈیاں اب تمہارے ہاتھ ہیں۔ وہ کام کرنا۔ کہ اُن کی رُوحیں تمہیں دُعائیں دیں۔ دُکھیاری ماں اور غمزدہ باپ کی تمنا ہے۔ کہ تم ہمیشہ ہری بھری رہو۔ وہ سچا معبود جو سب سے بہتر وارث ہے۔ تمہارا نگہبان ہے۔ اور اُسی سے التجا ہے۔ کہ وہ تم کو منزل مقصود پر پُہنچاوے۔ آمین +

(تمہاری ماں)

تمام شد